دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

اپریل - مئی - جون 2020

ISSN 2320-8600

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

عید

شہر خوباں کی رونقوں میں رکود
سرد بازار عشق و دید ہے ساقی
رند سارے ہیں بے قرار و سکوں
جام خالی ہیں، عید ہے ساقی

آیت

ہر زمانہ ترے قانون کا پابند ہے جب
موسم گل میں یہ دستورِ خزاں کس کا ہے
(آیت)

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

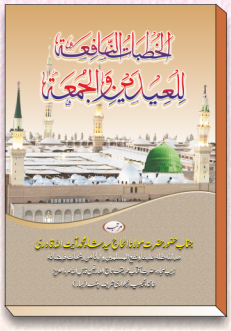

الخطبات النافعۃ للعیدین وزالجمعۃ

مرتبہ

زیب سجادہ حضرت تاج العارفین جناب حضور الحاج مولانا

سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ

خطبات جمعہ پر مشتمل ایک منفرد کتاب ہے جو عقائد اہل سنت کی ترجمان ہے، یہ کتاب حمد باری عزاسمہ، اوصاف نبوی، اہل بیت واصحاب رسول کی محمدت، دعا ومناجات، استغاثہ اور حکمت وموعظت سے پُر ہے، زبان سلیس، الفاظ سہل تر، انداز جاذبانہ، رقت انگیز، روح پرور دلکش، عبارات مواقع اور حالات کے عین موافق ہیں۔

بحمدہ تعالیٰ یہ مہتم بالشان کتاب سال رواں عرس ربیع الاول شریف کے پُرنور موقع سے ملٹی کلر میں حسین وجاذب نظر ڈیزائن، خوبصورت طباعت، عمدہ کاغذ اور مضبوط جلد کے ساتھ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔

خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف سے مبلغ -/300 روپے میں حاصل کرسکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

ماہ : شعبان المعظم — شوال المکرم ۱۴۴۱ھ

ماہ : اپریل — جون ۲۰۲۰ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۶۰ ✦ شمارہ نمبر ۲

زرتعاون

فی شمارہ	:	-/50 روپے
سالانہ	:	-/200 روپے
سادہ ڈاک	:	-/250 روپے
رجسٹری ڈاک	:	-/400 روپے
پاکستان وبنگلہ دیش	:	-/500 روپے
دیگر ممالک	:	-/25$ امریکی ڈالر

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

سرکولیشن منیجر : محمد مقصود عالم مجیبی

مراسلت وترسیل زرکا پتہ

رابطہ : +91-9006306098

ایڈیٹر

المجیب، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

فون نمبر : E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, (0612) 2555572, Telefax : 2555305

فہرست مضامین

- **لمعات** — ظفر حسنین — ۳

مضامین و مقالات

- عید میلاد النبی ﷺ کتاب وسنت اور علمائے سلف..... — جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی — ۶
- سلطان المشائخ کے پیر و مرشد شیخ شیوخ العالم بابا..... — سید نورین علی حق — ۲۴
- حضرت شاہ غوث علی استھانوی ثم پانی پتیؒ — مولانا طلحہ نعمت ندوی — ۳۹
- مرا چون گذر بر عراق اوفتاد (سفر نامۂ عراق) — پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید — ۵۹
- منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی (چند دن.....) — وارث ریاضی — ۷۶
- مابعد کورونا تبدیل ہوتی سماجی صورت حال — صفی اختر — ۸۶

ادبیات

- قند پارسی — حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقب قادریؒ — ۹۲
- نعت شریف — امان خاں دل — ۹۳
- نبوت کا نقش ہدا ڈھونڈتا ہوں — وارث ریاضی — ۹۴
- خراج عقیدت بہ بارگاہ سیدہ زینب الکبریٰ بنت..... — جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی — ۹۵
- **کوائف و حالات** — ادارہ — ۹۶

لمعات

• ظفر حسنین

ایک گھن گرج تھی جو پورے ملک میں گونج رہی تھی، ایک سو بیس کروڑ کا یہ ملک دہل رہا تھا کہ ملک کا سب سے طاقتور شخص یہ کیا کہہ رہا ہے، اس کا مقصد کیا ہے، یہ کیا چاہتا ہے؟ جی ہاں یہ ملک کے طاقتور ترین وزیر داخلہ کا مسلمانوں کو انتباہ تھا کہ وہ تیار ہو جائیں، ایک ایک کو پکڑ کر یہاں سے نکالا جائے گا، کسی کو نہیں بخشا جائے گا۔ سیدھی سی بات تھی کہ اس ملک کے مسلمانوں کو یہاں سے جانا ہوگا۔۔۔ پھر اپنی باتوں میں وہ اصلاح کرتے ہیں۔ ہم ان لوگوں کی بات کر رہے ہیں جو لاکھوں لاکھ کی تعداد میں گھس پیٹھی کر کے بنگلہ دیش، افغانستان، پاکستان اور ترکستان سے یہاں آ گئے ہیں، ان میں سے صرف مسلمانوں کو یہاں سے جانا ہوگا، ان لوگوں کو نہیں جو شرنارتھی ہیں۔ خود ساختہ خدا سمجھ رہا تھا وہ جو چاہے کہہ سکتا ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہی نہیں اس کی حکومت نے سی اے اے کی شکل میں اپنے قول پر عمل درآمد کے لئے قانون بھی پارلیمنٹ سے پاس کرالیا ہے اور اس پر عمل کرتے ہوئے بہت سے ڈٹینشن کیمپ بھی بنا لیئے جہاں صرف مسلمانوں کو ٹھونس کر رکھا گیا۔ ظاہر ہے بی جے پی اکثریت والی حکومت ہے جس کا قول ہے کہ مودی ہے تو سب ممکن ہے۔۔۔ لیکن یہ فیصلہ ایک مغرور اور گمراہ جماعت کے رہنما کا تھا اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس رہنما اور اس جماعت کو اپنی اوقات بتانے کے لئے ایک مختصر بلکہ مختصر ترین وائرس پیدا کیا جس نے چند دنوں میں ہی وہ تباہی مچائی، وہ ہنگامہ کیا کہ اس مغرور وزیر کا دماغ ٹھکانے لگ گیا۔ اب چن چن کر نکالنے اور انہیں اٹھا کر باہر پھینک دینے کی دھمکی دینے والا شخص اس ننھے وائرس سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ ہفتوں گھر میں چھپا رہا اور جب باہر آیا تو اس کے سامنے اس ننھے وائرس کا پھیلایا ہوا قیامت کا منظر تھا جسے دیکھ کر اس کے ہوش اُڑ گئے۔ اب اسے یاد نہیں رہا کہ کتنے لوگ باہر سے گھس آئے ہیں بلکہ اب وہ ان لاکھوں کروڑوں بدحال بھوکے پیاسے، جان دینے یا جان لینے پر آمادہ لوگوں کی ایک عظیم بھیڑ میں شامل لوگوں کو گننے پر مجبور تھا، وہ گن رہا تھا اور بھیڑ بڑھ رہی تھی۔۔۔ بھیڑ بڑھ رہی ہے وہ اور اس کی حکومت گنتی چلی جا رہی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ سب برسر اقتدار جماعت کی بداعمالی کا نتیجہ ہے۔ شاہین باغ میں احتجاج کرنے والی نہتی

عورتوں پر ہونے والے ظلم کا نتیجہ ہے، دہلی کے بے قصور لوگوں کا قتل عام اور ان بے قصور لوگوں کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے پر مجبور کرنے والوں کے ظلم وستم کا نتیجہ ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ عوام اس قدرتی عتاب کو سمجھ نہیں پائے، لوگ اس کے پھیلتے وجود کو دیکھ اور سمجھ رہے تھے لیکن وہ مجبور تھے، حکومت کی بے حسی اور غفلت پر وہ ماتم کر رہے تھے ــــ وہ جانتے تھے کہ یہ سارا عتاب اور سارا درد ''نمستے انڈیا'' جیسے بے تکے اور بے وقت اجتماع سے شروع ہوا ہے جسے امریکی صدر اپنے ساتھ لے کر آئے اور لاکھوں لاکھ انسانوں سے خطاب کے بہانے پورے ملک میں پھیلا دیا۔ ہم ہاتھوں میں کشکول لئے امریکی صدر کے آگے پیچھے گھومتے رہے اور دنیا کا سب سے مغرور انسان پورے ملک میں اپنے خاندان کے لوگوں کے ساتھ مل کر عیش وعشرت کرتا رہا، اس ننھے وائرس کے وجود سے بے خبر۔ کسی نے نہیں سوچا اور سوچا بھی تو اس کی طرف توجہ نہیں دی کہ امریکی صدر یہ کیسی وبا اپنے ملک سے لے کر آیا ہے ــــ وہ وبا جس نے آئندہ چند مہینوں میں پورے امریکہ، ایشیا اور مغربی ومشرقی سارے ممالک کو تہ وبالا کر دیا۔ یوں تو یہ پوری دنیا میں موت کا قہر برپا کئے ہوئے ہے لیکن سب سے زیادہ اثر خود امریکہ میں ظاہر ہوا جو دنیا کا واحد سوپر پاور ملک ہے۔ آج بھی وہاں اس مہلک مرض سے مرنے والوں کی تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔

کسی نے ان حالات کو نہ دیکھا نہ سنا ہوگا جس سے آج ہم گزر رہے ہیں۔ آج جیسی بڑی دنیا، اتنا بڑا رقبہ اور اتنی کثیر آبادی انسانی تاریخ کی ایک مثال ہے اور اتنی بڑی دنیا سینکڑوں چھوٹی بڑی حکومتیں بعض چیونٹی جیسی حقیر اور بعض ہاتھی جیسی جسامت اور شیر جیسی طاقت رکھنے والی ــــ لیکن سب اپنے خالق کے تابع اور اس کا حکم ماننے پر مجبور ــــ یہی اللہ رب العزت کا فرمان اور قانون ہے اور اسی پر دنیا چل رہی ہے۔ کیا اللہ کی سب سے زیادہ پسندیدہ مخلوق یعنی انسان اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں اور عنایتوں سے صرف مستفید ہوتی رہے گی یا کبھی اسے یاد بھی کرے گی اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر بھی بجالائے گی؟ یہ جاننے کے لئے اللہ رب العزت نے اپنی دوسری مخلوقات کے ساتھ ایک ننھا، اتنا ننھا کہ طاقتور ترین خردبین سے بھی نہ دیکھا جاسکے، وائرس بھی پیدا کیا اور اس میں اتنی طاقت دی کہ اس کی ایک جنبش سے ساری دنیا سرنگوں ہو جائے۔ آج اس وائرس نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہر شخص اس ننھے وائرس میں اپنی موت دیکھ رہا ہے۔ ہر شخص بھاگ رہا ہے، چھپ رہا ہے اور موت کے خوف سے لرزاں اللہ کے دربار میں سربسجود ہونا چاہتا ہے لیکن لگتا ہے کہ توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہیں اس کے لئے نہ مسجدوں میں نہ مندروں میں نہ گرجاؤں میں نہ کسی دوسری عبادت گاہوں میں کوئی جگہ مل رہی ہے ــــ اس لئے کہ سب کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ روئے زمین پر اللہ کی سب سے محبوب جگہ مکۂ مکرمہ اور مدینہ منورہ عبادت کے لئے بند ہے، مطاف بند ہے، زیارت حرمین شریفین بند ہے، کعبہ جو کبھی بھی ایک لمحے کے لئے طواف کرنے والوں سے خالی نہ رہا آج بند ہے۔ دنیا کی لاکھوں کروڑوں مسجدیں نمازیوں کے لئے ترس رہی ہیں کیوں کہ ان کے در و دیوار بند ہیں۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کی ساری عبادت گاہیں بند ہیں۔ دنیا میں انسان ہیں ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے لیکن دنیا سے چہل پہل ختم ہوگئی ہے۔

سڑکیں، بازار، گھر اور ساری رونقیں اپنے اندر سموئے ہوئے تفریح گاہیں ویران اور خالی ہیں، دنیا کا سب سے زیادہ محفوظ اور پہل پہل رکھنے والا ملک امریکہ کا شہر نیویارک ویران ہو رہا ہے اور اس کے بارے میں اخباروں کی سرخیاں بتا رہی ہیں کہ وہاں لاشوں کا انبار ہے۔ ساری دنیا کو اپنی طاقت اور زعم سے تباہ و برباد کرنے کی دھمکی دینے والا ملک امریکہ آج خود اپنے لوگوں کی بے تحاشہ موت پر ماتم کر رہا ہے اور اُسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔۔۔ یہی حال دوسری بڑی طاقتوں روس، چین، مغربی ممالک اور ہندوستان کا ہے۔ لوگ موت کے ڈر سے گھروں کے کونے میں چھپ گئے ہیں یا چھپا دیے گئے ہیں۔ ساری دنیا کے بہترین ڈاکٹرس، سائنس داں اور بڑی بڑی تجربہ گاہیں اس ننھے وائرس کا علاج ڈھونڈنے میں مصروف لیکن تا حال ناکام ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ایک ننھے وائرس سے دنیا کو بتلا دیا کہ ہم جو ہمیشہ اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہے اور ساتھ ہی اسے جھٹلاتے رہے، آج اسی خالق کے پیدا کئے ہوئے ننھے وائرس کے منفی اثرات سے کتنے خوفزدہ اور بے بس ہو گئے ہیں اس پر غور کرو۔۔۔ غور کرو اس کی خدائی پر، غور کرو اس کی طاقت پر اور ایمان لاؤ اس کائنات کے مالک پر۔۔۔ ایسے کچھ ہی مواقع آتے ہیں جب اللہ، گناہوں میں غرق انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔۔۔ جو فلاح پانے والے ہوتے ہیں، اس کی اطاعت کرنے والے ہوتے ہیں اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں، اللہ جو غفور رحیم ہے اسے معاف کر دیتا ہے۔ ہر شر میں خیر کا پہلو ہے۔ ہم شر سے بچتے ہوئے خیر کی طرف چلیں اسی میں ہماری بھلائی ہے۔

بے شک یہ اللہ کا عذاب ہے۔۔۔ ان پر بھی جو خداوند کریم کے منکر ہیں اور ان پر بھی جو وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھنے کے باوجود ایمان کی کمزوری اور اللہ کے فرمان سے بے توجہی کی وجہ سے نافرمانوں کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔۔۔ یہ عتاب سب کے لئے عذاب بن کر نازل ہوا، سارے عربی، عجمی اور یوروپی ممالک اس کا شکار ہونے لگے۔ تاریخ میں پہلی بار مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام بند کرنی پڑی۔ تمام لوگوں کی نمازیں ان مساجد میں معطل رہیں۔ لوگ طواف اور مکہ و مدینہ کی مساجد کی زیارت سے محروم رہے۔ حج موقوف ہو گیا ساری دنیا کے زائرین تڑپتے رہے لیکن ان کی تڑپ کا کوئی علاج نہ ہو سکا۔

آج یا کل اس مہلک مرض کے اثرات ختم ہو جائیں گے۔ دنیا اپنے معمول پر آجائے گی اور لوگ اس عذاب کو بھول جائیں گے۔۔۔ کہ یہی انسانوں کی فطرت ہے۔ لیکن دنیا کے لئے خاص کر مسلمانوں کے لئے عبرت حاصل کرنے کا یہ ایک اچھا موقع ہے۔ مسجد کھلنے کے بعد جب بھی وہ نمازوں کے لئے مساجد کا رخ کریں گے جب بھی ان کے کانوں میں اللہ اکبر کی آواز گونجے گی اور وہ دیوانہ وار مسجدوں کا رخ کریں گے انہیں ضرور اس کا احساس ہوگا کہ اللہ نے ان کے گناہوں کی محض ہلکی سی سزا دی ہے جس سے ان کا سکھ چین اور زندگی کی رونقیں سب ختم ہو گئی ہیں۔۔۔ اگر خدانخواستہ اللہ رب العزت کا عذاب کچھ اور بڑا ہوتا تو ان کا کیا حشر ہوتا؟

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

بارہویں قسط

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کتاب وسنت اور علمائے سلف کے اقوال وآثار کی روشنی میں

● محمد آیت اللہ قادری

اجزائے میلاد قلمی، مصنفہ حضرت قاضی مخدوم عالم پھلواروی قدس سرہٗ :

حضرت راس المجاہدین فی الآخرین سید مخدوم منہاج الدین راستی قدس سرہٗ کی آمد سے پھلواری شریف میں اسلامی آبادی کا فروغ ہوا، کثیر لوگ آپ کے دست حق پرست پر اسلام لائے، آپ کی اولاد میں ایک طویل مدت تک علم وعرفاں کی ضوفشانی رہی، تسلسل کے ساتھ عہد مغلیہ میں کثیر علماء قضاء وافتا جیسے جلیل منصبوں پر فائز رہے، قاضی رکن عالم عہد عالمگیری میں پٹنہ کے قاضی تھے، قاضی شاہ عالم منہاجی اور قاضی مخدوم عالم وغیرہ آپ ہی کی اولاد میں ہیں۔

قاضی مخدوم عالم کی ولادت ۱۲؍رجب ۱۲۱۶ھ کو پھلواری شریف میں ہوئی، والد کا نام قاضی سلطان عالم تھا، یہ بھی منصب قضا پر فائز تھے، سلسلۂ نسب آبائی بارہ واسطوں سے حضرت منہاج الدین راستیؒ تک اس طرح ہے:

''قاضی سید مخدوم عالم بن قاضی سید سلطان عالم بن قاضی سید نور عالم عرف شاہ عالم بن قاضی سید صاحب عالم بن قاضی سید عبداللہ معروف بہ رکن عالم بن قاضی سید امان اللہ بن قاضی سید جلال الدین بن قاضی سید عبدالواحد بن سید حبیب اللہ بن سید نورالدین بن سید مخدوم شاہ عزیز الدین بن سید شاہ مخدوم منہاج الدین راستی قدس سرہٗ''۔۔۔(القرون الماضیہ، قلمی)

قاضی سید مخدوم عالم صاحب کا ننہالی تعلق خانوادۂ زینبی جعفری سے تھا، حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کا یہ معزز خاندان نویں صدی ہجری کے آخر میں دہلی سے آکر پھلواری شریف میں آباد ہوا تو بقول حضرت قمر طلعت امیر شریعت مولانا شاہ محمد قمر الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ:

''اس قصبہ کی آبادی غیر معمولی حد تک پہنچ گئی اور اس ایک مقدس بزرگ کی اولاد سے فقر وتصوف وعلم کا شہرہ

اطراف صوبۂ بہار میں اس قدر بلند ہوا کہ لوگ اس کو اپنے صوبہ کا دارالعلوم تصور کرنے لگے..... یہاں تک کہ حضرت مخدوم سید راستی کے بعض معزز اجزا بھی اس خاندان امیر عطاء اللہ میں جذب ہو گئے''۔۔۔(خطبۂ صدارت بموقع انتخاب حضرت امیر شریعت ثانی،صفحہ:۳)

قاضی مخدوم عالم صاحب کے سلسلۂ اجداد میں اوپر حضرت قاضی شاہ رکن عالمؒ کا نام مذکور ہے، یہ پھلواری شریف کے ایک عظیم عالم دین اور یکی از مدونین فتاوی عالمگیری حضرت ملا فصیح الدین پھلواریؒ کے داماد تھے، قاضی صاحب کے دادا قاضی نور عالم عرف شاہ عالم، حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ پیر مجیب اللہ قادریؒ کے صاحبزادے حضرت مخدوم شاہ احمد عبدالحیٔ قدس سرہٗ کے داماد تھے، اس طرح حضرت مولانا شمس الدین ابوالفرح پھلواریؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا شاہ محمد ولی قادریؒ جو بردوان میں مفتی عدالت اور صدر امین تھے، ان کی بڑی صاحبزادی خود قاضی مخدوم عالم صاحب کے حبالۂ عقد میں تھیں، یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تعلیم وتربیت بھی اسی خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں اور کتب درسیہ اوائل میں اور فن عروض مکمل حضرت مولانا محمد امان علی ترقی پھلواروی سے پڑھا، درسیات کی تکمیل حضرت مولانا حافظ شاہ محمد عبدالغنی پھلواروی سے کی۔

حصول علم کے بعد مسند تدریس کو بھی زینت بخشی، آپ کے شاگردوں میں مولانا غلام دستگیر پھلواروی وغیرہ کا نام ''اعیان وطن'' میں مذکور ہے۔

قاضی مخدوم عالم صاحب کو شرف ارادت حضرت شیخ العالمین مخدوم مولانا شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ سے حاصل تھا، ۱۵؍صفر ۱۲۳۳ھ کو حضرت شیخ العالمین کے دست حق پرست پر طریقۂ قادریہ میں بیعت کیا، تعلیم وتربیت باطنی بہ روایت حکیم شاہ شعیب نیر پھلواروی قدس سرہٗ آپ کو حضرت فرد الاولیاء شاہ محمد ابوالحسن فردؔ و مولانا شاہ محمد ابوتراب قادری قدس سرہما سے تھی اور اجازت وخلافت سلاسل مجیبیہ بھی ممدوح سے پہنچی تھی۔۔۔(تذکرہ شعرائے پھلواری،قلمی)

قاضی سید مخدوم عالم صاحب مسلسل چالیس برس تک مسعودہ عرف مسوڑہ (مسوڑھی) ضلع پٹنہ میں قاضی رہے، عہد قضا کے ختم ہونے کے بعد بارہ سال بکرم ضلع پٹنہ میں منصفی پر فائز رہے اور دیگر مقام پر بھی عرصۂ دراز تک منصف رہے، ان خدمتوں کو آپ نے پوری نیک نامی کے ساتھ انجام دیا، تمام حکام کی نظروں میں خود قاضی صاحب اور ان کے آباء واجداد ہمیشہ معزز ومکرم رہے، اہل دیار ان کی عالی خاندانی اور نیک نامی سے باخبر تھے، حضرت حکیم صاحب قدس سرہٗ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''قاضی صاحب اپنے وقت کے نہایت محتاط اور باوضع رئیس تھے، باطن کے ساتھ ظاہری وجاہت اور ریاست خاندانی کو نہایت خوش اسلوبی اور قرینہ سے نبھایا''۔۔۔(القرون الماضیہ،قلمی)

قاضی صاحب کے آباء واجداد کو شاہان وقت کی طرف سے وظائف کے طور پر کثیر جاگیریں ملی تھیں جن میں سے

قاضی صاحب کو ترکہ میں مبلغ اسی ہزار روپے سالانہ آمدنی کی جائداد ملی، جن سے وہ غرباء پروری اور کس مپرسوں کی کفالت کیا کرتے تھے اور ان کا گھر بسایا کرتے تھے، انہی مقاصد کے پیش نظر حضرت شیخ العالمینؒ نے حضرت مخدوم منہاج الدین راستی قدس سرہٗ کے عرس کو دوبارہ شروع کرنے کی خواہش ظاہر کی جو سابق میں موقوف ہو چکا تھا، قاضی صاحب نے اس شرط کے ساتھ عرس شروع کیا کہ حضرت شیخ العالمین بذات خود فاتحہ میں شریک ہوں گے، حضرت شیخ العالمینؒ نے ان کی اس شرط کو منظور فرمایا، چنانچہ قاضی صاحب سال میں اپنے اہتمام سے حضرت مخدوم سید راستی قدس سرہٗ کا عرس نہایت صرف کثیر اور بلند حوصلگی کے ساتھ تاحیات کرتے رہے، ان کے انتقال کے بعد عرس کا سلسلہ موقوف ہوگیا، بعد میں حضرت مخدوم منہاج الدین راستی کی دیگر اولاد نے اس عرس کو جاری کیا۔

قاضی مخدوم عالم صاحب کا انتقال ۴ر شوال ۱۳۰۴ھ میں پھلواری شریف میں ہوا، حضرت مخدوم منہاج الدین راستی قدس سرہٗ کے آستانہ پر عیدگاہ سے پورب چابوترہ پر مدفون ہوئے، مولانا احمد کبیر حیرتؔ (مرید حضرت مولانا علی حبیب نصرؒ) نے اپنی ’’تاریخ الکملاء‘‘ میں آپ کی وفات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

نکو بود مخدوم عالم رئیس ❁ زفیض رسول و زلطف زبیر
ادیب و سخن سنج در نظم و نثر ❁ بہ گلزار اشعار می کرد سیر
زشاگردی حضرت فرد پیر ❁ مکین حرم گشت و نافر ز دیر
ہمین گفت رضوان چو روحش ز دہر ❁ بسوی جنان رفتہ می کرد طیر
دو مصرع بخوان و دوم مصرعش ❁ بگو با دل شاد با خویش و غیر
ا
کہ مخدوم عالم بہ جنت بزہد ❁ طفیل رسولم چو زاہد بخیر
۱۳۰۴ھ ❁ ۱۳۰۴ھ

—(ج:۲،ص:۳۳۰)

حضرت قاضی صاحب کو فن عروض پر کامل دسترس حاصل تھا، شعر و سخن کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے، معاصرین شعراء سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے، اردو و فارسی دونوں زبان میں عمدہ کلام کہا کرتے تھے، فارسی اور عربی کے مشہور اشعار اس صفائی کے ساتھ اردو کے منظوم قالب ڈھالا کرتے تھے جو ترجمہ کم تخلیق زیادہ معلوم ہوتے ہیں ’’عمدۃ المجالس‘‘ جو ذکر شہدائے کربلا پر مشتمل ہے اس میں جا بجا اس دعویٰ کی عمدہ مثال ملتی ہے، غالباً آپ کا ایک مکمل دیوان بھی تھا جس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ تمنا عمادی صاحب کے ہاتھوں ضائع ہوا— اناللہ وانا الیہ راجعون، خدا رحمت کرے حضرت حکیم صاحب پھلواروی پر جنہوں نے اپنی سعی سے قاضی صاحب کے منتشر کلام کو جمع کیا جو کتب خانہ مجیبیہ بدریہ میں موجود تھے، تذکرہ شعرائے پھلواری میں

انہوں نے قاضی صاحب کا تذکرہ کیا ہے، قاضی صاحب کو اصناف سخن میں مرثیہ نگاری میں کمال حاصل تھا، عمدہ تاریخی قطعات بھی کہا کرتے تھے، اپنے مربی ومرشد مولانا ابوتراب آشنا کے وصال پر بہت عمدہ تاریخ کہی تھی جو ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

آن آشنائ بحر کرم از جہان برفت ❁ کز چشم لطف او ہمہ مشتاق یک نگاہ
در عالم حیات ازو بود صد کشود ❁ در نقل و ارتحال ادائ غروب ماہ

۱۲۷۰ھ

❖

چون حقائق آشنا از دار دنیا درگذشت ❁ بے قدمبوس جنابش عالمی غمناک بود
فکر تاریخش نمودم ھاتفی الہام کرد ❁ فقر فخری سال رحلت شد کہ شان پاک بود

۱۲۷۰ھ

❖

بے مثل در عبادت حق بود آنکہ بود ❁ عابد سنین عمر ولادت بلانظیر

۷۷ ۱۱۹۳ھ

رونق فزائ روضۂ رضوان شد آنجناب ❁ مجموع ہر دو سال وفات است یاد گیر

عابد بلانظیر

۱۲۷۰ھ

نثر میں قاضی صاحب کی ایک عمدہ تالیف ہے جیسا کہ قبلاً ذکر ہوا، عمدۃ المجالس یہ نثر آمیختہ بہ نظم کا عمدہ نمونہ ہے، اس میں اکثر اشعار خود مؤلف کے ہیں، یہ کتاب ۱۲۹۲ھ میں مطبع نورالانوار، آرہ سے طبع ہوئی، صفحۂ آخر پر طبع کے دو قطعات تاریخ درج ہیں جن میں سے ایک ملاحظہ کریں:

در بیان شہادت شہدا ❁ آنکہ در نظم ونثر گوہر گفت
سال طبعش بضمن نام کتاب ❁ بہتر و عمدۃ المجالس گفت

۱۲۹۲ھ

اس کتاب میں قاضی صاحب نے شہدائے کربلا کا ذکر پورے حزم واحتیاط کے ساتھ کیا ہے، فضائل اہل بیت میں حضرات شیخین کی مرویات خاص طور پہ نقل کی ہیں۔

قاضی صاحب کی ایک اور تالیف نثر میں میلاد پر بھی تھی جس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ مجیبیہ بدریہ میں دریافت ہوا جو اس بزم تحریر کا اصل موضوع ہے۔

''اجزائے میلاد'' جس کا اندراج نمبر 239/345 ہے، یہ مخطوطہ خط نستعلیق اور شکستہ میں لکھا ہوا ہے، اس کا انداز تحریر ابتداء

سے انتہاء تک یکساں ہے، آیات قرآنی، احادیث مبارکہ اور صلوۃ وسلام کے اوپر دولکیریں موجود ہیں، اسی طرح ہر عنوان اور روایت کی ابتداء میں پہلے لفظ کے اوپر دولکیریں ہیں، اس کے بعض اوراق کرم خوردہ اور پیوندکار ہیں، کرم خوردگی کی وجہ سے صفحہ نمبر ایک اور دو ضائع ہو گئے ہیں، صفحہ نمبر تین سے کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے:

''حضور میں آئے اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے بزرگ اور کوئی نہیں پیدا کیا اور اہل دنیا اس واسطے پیدا کیا تا کہ پہچانیں مرتبہ اور بزرگی تمہاری جس قدر میرے نزدیک ہے اگر نہ پیدا کرتا میں تجکو نہ پیدا کرتا میں زمین اور آسمان کو اور فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میں سردار بہترین اولاد وآدم کا ہوں بروز قیامت اور میں شفاعت امت کی کرونگا.....جس وقت کہ چپ رہینگے سارے انبیا اور میں خوش خبری دونگا لوگوں کو شفاعت کی اور رحمت کی جبکہ ناامید ہونگے''۔۔۔(ص:۳)

یہ قلمی نسخہ چھوٹے سائز کے ۴۴ رصفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں گیارہ سطریں ہیں، رسالہ اردو زبان میں ہے۔ زبان قدیمی ہونے کی وجہ سے عربی وفارسی الفاظ کی کثرت ہے۔ اس میں فرضی اور غیر مستند روایات سے اجتناب کیا گیا ہے۔ اجزائے میلاد میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت ورفعت، فضائل وکمالات کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا گیا، اجزائے میلاد کے عنوانات فارسی زبان میں ہیں:

ذکر ابتدائے نور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ذکر اصل نور بودن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ذکر درود بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ذکر انتقال نور حضرت در پیشانی آبائے کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ذکر کیفیت ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ذکر معجزاتیکہ بوقت ولادت ظاہر شد، ذکر رضاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ذکر چند حالات متفرقہ، مدح در صلوۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مصنف نے مجلسی تقاضوں کے پیش نظر اس کتاب میں بہت کم میلاد کے اجزاء کو شامل کیا، اور اس کی ضخامت کو کم کر دیا تا کہ اس کو آسانی سے ایک نشست میں پڑھا جاسکے، مصنفؒ نے چند ایسی روایات وواقعات کو بھی شامل کتاب کیا ہے جن کا تذکرہ اکثر میلاد ناموں میں نہیں ہیں ان کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ مجلسی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض بیان کے درمیان اور بعض بیان کے آخر میں اسی کی مناسبت سے اشعار لکھے گئے ہیں تا کہ سامعین کی دلچسپی برقرار رہے اور حاضرین محفل کے دلوں پر سیرت رسول ﷺ کے اثرات زیادہ سے زیادہ ہوں۔ ہر ذکر کے آخر میں یہ صلوۃ وسلام لکھا گیا ہے: یارب صل وسلم دایما ابدا ☆ علی نبیک خیر الخلق کلھم۔

قدیم اسلوب میلاد کے مطابق شروع میں نور محمدی ﷺ کا ذکر ہے، جس کا آغاز اشعار سے اس طرح کرتے ہیں:

حسن رخ مصطفے کو کوئی کیا دیکھے ❁ ایمان کا ہر آینہ میں جلوہ دیکھے

حاشا کہ کسی کی ٹھہرے اوس رخ پہ نظر ❁ حق جس کو بنا کے خود تماشا دیکھے
جسم عالم میں جو روشن نور ہے ❁ بس یہی نور خدا منظور ہے
کہل گیا آخر بایسائے درود ❁ تہا فرشتوں کو اودھر حکم سجود
مسجد ظاہر فقط آدم ہوئیے ❁ پر فرشتوں کے ادھر سر خم ہوئیے
اب ہوا گو رو بسوئے سجدگاہ ❁ چشم دل کی ہے محمد پر نگاہ

—(ص:۷)

مصنفؒ نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدی ﷺ کو پیدا فرمایا پھر اس نور سے تمام عالم کی تخلیق فرمائی، اور یہ کہ روز اول سے آپ ﷺ ہی نبی ہیں اور آخر تک آپ ﷺ ہی نبی رہے، حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء ورسل آپ ﷺ کے نائب بن کر اس عالم میں تشریف لائے، آپ ﷺ اس دنیا میں تمام انبیاء کے بعد اس لئے تشریف لائے تا کہ آپ ﷺ کا لایا ہوا دین روز قیامت تک باقی رہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''معتبر کتابوں میں ہے کہ حضرت حبیب خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے پہلے پیدا ہوئیے اون کے نور سے خدائے تعالیٰ نے تمام عالم کو بنایا اور یہ بات اون حدیثوں سے ثابت ہے حدیث اول انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری ہم پیدا ہوئے خدا کے نور سے خلق ساری نور سے ہمارے حدیث دوسری اول ما خلق اللہ نوری پہلے جو چیز پیدا کیا خدا نے وہ نور میرا ہے حدیث تیسری کنت نبیا وآدم بین الماء والطین ہم اوس وقت نبی تہے کہ آدم درمیان پانی اور مٹی کے تہے اور حق تعالیٰ نے سب نبیوں کے بعد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا کہ اون کا دین روز قیامت تک رہے گا روز اول سے حضرت ہی نبی ہیں اور آخر تک آپ ہی نبی رہے اور ایسے مقبول تہے خدا کے کہ حق تعالیٰ نے دنیا پیدا کرنے کے پہلے سب نبیوں کی روح کو سامنے حاضر کیا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے کا اقرار لیا یہ بات اوس آیت سے ثابت ہوئی کہ اذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ معنی اس آیت کے یہ ہے کہ عہد لیا خدا نے سب نبیوں سے کہ پہچے گی تم پر کتاب اللہ کی اور حکمت بعد اوس کے آوینگے رسول آخر زمانے کے دنیا میں تم سب جو اون کا زمانہ پاؤ اور اون کے ساتھ ہووَ تو ایمان لائیو اون پر اور مدد کاری کیجو اون کی اس آیت اور ان حدیثوں سے مقبول ہونا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدا کے نزدیک سب سے زیادہ اور نبی ہونا اون کا اول سے روز قیامت تک کہ ثابت ہوا تو بیچ میں جو ہزاروں نبی ہو گئے وے اصلی نبی کیونکر ہونگے مگر ہمارے نبی کے نائب تہے جس طرح پر بادشاہوں کے نائب پہچتے ہیں برابر بادشاہ کے حکم جاری کرتے ہیں اوسی طرح سے سب نبی پہلے پیدا ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے دنیا میں آئے اون کے نائب ہو کر نبی کہلائیے جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں پیدا ہوئیے ہر نبیوں کے دین سے جو بات کہ اپنے زمانے میں مناسب سمجھا او سے پسند فرما کر اپنے دین میں جاری کیا اور جو کچہ کہ اوس وقت نامناسب دیکھا او سے بدل دیا ہزاروں شکر کے ہم لوگ ایسے محبوب خدا کی امتوں میں پیدا ہوئیے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں ایسے دین پاک پر ثابت اور قائم رکھے آمین رب العالمین"۔۔۔(ص:۷-۹)

ذکر اصل نور بودن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

اس عنوان کے تحت معرفت خداوندی کا ذکر کیا گیا ہے ۔انسان کے لئے معرفت خداوندی عظیم نعمت ہے کہ اسی کی وجہ سے انسان کو دنیا و آخرت کی سعادتیں اور نعمتیں حاصل ہوتی ہیں،لاتعداد مذہب کے ماننے والے اللہ تعالیٰ کو نہ پہنچاننے کی وجہ سے ضلالت وگمراہی میں اور کفر وشرک کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں،کبھی وہ شجر وحجر کو پوجتے ہوئے نظر آتے ہیں تو کبھی شمس وقمر کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں،کبھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ہی وہ معبود مان لیتے ہیں،مگر مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اپنے حبیب ﷺ کو مبعوث فرما کر ہمیں سیدھا راستہ دکھایا۔مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سید الانبیاء ﷺ کی وجہ سے حاصل ہوئی ورنہ انسان اپنے علم وعقل سے خدا کو نہیں پہچان سکتا تھا۔ہم پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری واجب ہے،جب کسی انسان پر اللہ کا کرم ہوگا تو آپ ﷺ کے طفیل میں ہی ہوگا جس کا رشتہ آپ ﷺ سے ٹوٹ گیا اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ڈال جڑ سے کٹ گئی اور کٹی ہوئی ڈال کبھی ہری نہیں ہوتی چنانچہ مصنفؒ لکھتے ہیں:

"اے امتان رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو حق تعالیٰ کا پہچاننا واجب ہے کہ اوس نے تم کو خاک سے پاک بنایا اور ہزاروں نعمت سے دونوں جہان کے سرفراز فرمایا اس احسان کا شکر تو ادا کرنا ضروری ہے تو جب تک خدا کو نہیں پہچانو گے شکر اوس کا کیونکر بجالاؤ گے اور پہچاننا خدا کا جیسا کہ چاہئے فرشتوں سے بھی نہ ہوسکا پھر ہم لوگ ایک مشت خاک سے بنے ہوئیے کیونکر سمجھیں گے کہ ذات پاک اوس کی کیسی ہے اور کیا ہے عقل کی تو یہ طاقت نہیں کہ اس جگہ دم مارے خیال ہمارا وہاں کام نہیں کرتا علم میں بھی وہ ہمارے ہرگز نہیں آتا ساتہ اس کے پہچاننا اوس کا واجب ہوا واسطے رفع اس خرابی کے خدائیے تعالیٰ نے ہم عاجزوں پر رحم فرمایا حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول آخر زمانے کا پیدا کیا کہ بموجب مرضی خدا کے ہم سبھوں کو سیدہی راہ حق تعالیٰ کی دیکہاویں اور اوس کے پہچاننے کا طور ہماری عقل کے مطابق بتاویں چنانچہ ہم نے رسول سے خدا کو پہچانا تو رسول کی ذات کو مثال کلام پاک کے سمجھا اور خدا کو اوس کلام کا معنی اور مطلب پایا کیونکہ معنی کلام کے ظاہر میں کسی کو نظر نہیں آتے اور کلام سنکر اوسکے معانی صاف معلوم کرجاتے ہیں ویسا ہی سمجھو کہ خدا کو کسی نے آنکھوں سے نہیں دیکہا مگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جلوہ حق تعالیٰ کا بخوبی نظر آیا بے رسول کے یہ مشکل ہے صرف عقل ناقص کی رسائی سے کبھی آسان نہیں ہوئیگا جیسا کہ بے کلام کے معنی کو طلب کرنا عقل کا کام نہیں ہے ۔

مسلمانو یہ کیا عقدہ کہلا ہے ❁ محمد لفظ ہیں معنی خدا ہے
محمد ہیں گل گلزار جنت ❁ خدا اوس گل میں بوئے مدعا ہے
مزا اوس کا جو دل سمجھے تو سمجھے ❁ زبان اوس بحث میں نا آشنا ہے
نظر آوے نہ کیونکر جلوۂ حق ❁ کہ آئینہ جمال مصطفیٰ ہے
خلق کی جان ہیں رسول خدا ❁ دین وایمان ہیں رسول خدا
فوج لشکر ہیں سارے پیغمبر ❁ آپ سلطان ہیں رسول خدا
با عصا در پہ آپکے موسیٰ ❁ ایک دربان ہیں رسول خدا
عرش وکرسی وآسمان و زمین ❁ تم پہ قربان ہیں رسول خدا
سب کوئی آپ کے طفیلی ہیں ❁ آپ مہمان ہیں رسول خدا
ہمکو اب درد دل کی کیا پروا ❁ میرے درمان ہیں رسول خدا

اے اسم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمکو رسول اللہ حبیب خدا کی محبت اور تابعداری جان و دل سے ہمیشہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اونکی خاطر سے تمام عالم کو اون کے نور سے پیدا کیا جو وہی نہوتے تو کچہ نہیں ہوتا چنانچہ کلام قدسی میں خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: لولاك لما خلقت الافلاك اگر تم نہوتے اے محمد تو ہم آسمان نہ پیدا کرتے اس سے ظاہر ہوا کہ حق تعالیٰ نے سارے جہان کو مثل درخت کے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مثل جڑ کے اور ہزاروں خلقت کو مثال ڈال و پتہ و پھول و پہل کے بنایا ہے اگر خدا کو کسی پر رحمت کرنا منظور ہوگا تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سے اوسپر رحمت کریگا کہ جب درخت کے جڑ میں پانی نہیں پہنچتا کوئی ڈال اوسکی ہری نہیں ہوتی اور جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وتابعداری چہوڑا وہ خدا کی رحمت سے ایسا محروم ہوا جیسے کوئی ڈال جڑ سے کٹ گئی اور اتنا تو سب کوئی جانتا ہے کہ کٹی ہوئی ڈال کبہی نہیں ہری ہوتی اسی واسطے خدائے تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم کہو اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بندوں سے اللہ تعالیٰ کے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا ہمکو دوست رکہے اپنا تو میری تابعداری کرو دوست رکہیگا تمکو اللہ تعالیٰ اور بخشے گا تمہارا سارا گناہ خدا بڑا بخشنے والا رحیم ہے اللہ تعالیٰ ہم سبہونکو اپنے ایسے محبوب کی محبت اور تابعداری دونون جہان میں نصیب کرے بحرمت اوس محبوب کبریا حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ یہی دین ہے اور یہی ایمان ہے اور وہی مومن ہے اور وہی مسلمان ہے"۔۔۔(ص:۹-۱۳)

ذکر انتقال نور حضرت در پیشانی آبائے کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

صلوۃ وسلام کی فضیلت و اہمیت کے بعد مصنف نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت دلائل و براہین کی روشنی میں نہایت

عالمانہ انداز میں بیان کیا ہے کہ جس نور محمدی ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے تمام عالم اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر اسی نور کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں کس طرح بطور ودیعت رکھا اور وہ نور کس طرح ایک صلب سے دوسری صلب میں منتقل ہوتے ہوئے شکم حضرت آمنہ میں پہونچا۔

سیرت مقدسہ اور میلاد ناموں کے مشمولات وعنوانات میں سے اہم عنوان ''نور محمدی ﷺ پشت بہ پشت منتقل ہونا'' بھی ہے ۔لیکن سیرت اور میلاد کی بعض کتابوں میں ہی اس کا ذکر ملتا ہے ۔قاضی مخدوم عالمؒ نے اپنی کتاب میں اس کا بیان خوش اسلوبی کے ساتھ کیا ہے۔

حدیث وسیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انتقال نور نبوت ورسالت مآب ﷺ کا ذکر دور نبوی ﷺ کی ایک ایسی محفل میلاد میں ہوا جس میں صحابہ کرامؓ کی قدسی جماعت میں رسول اکرم ﷺ بھی موجود تھے،اس محفل میں صرف نور نبوت کے ذکر پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس نور رسالت کی فضیلت و برکت کو بھی بیان کیا گیا اس کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بے شمار انبیاء ورسل اور مومنین بھی اپنے درپیش مشکلات ومصائب سے نجات پاتے رہے اور یہ تاریک دنیا اس سے روشن ہوئی چنانچہ رسول اقدس ﷺ جب غزوہ تبوک سے تشریف لائے تو مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کرامؓ کے مجمع میں بیٹھ گئے،اسی اثناء میں آپ ﷺ کے عم مکرم حضرت عباس نے اشعار پڑھنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ کی جانب سے اجازت حاصل ہوگئی،حضرت عباس نے فرمایا:

من قبلها طبت فی الظلال وفی ❁ مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر ❁ انت و لا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین و قد ❁ الجم نسرا واهله الغرق
تنقل من صالب الی رحم ❁ اذا مضی عالم بدا طبق
حتی احتوی بیتك المهیمن من ❁ خندف علیاء تحتها النطق
وانت لما ولدت اشرقت الأ ❁ رض و ضاءت بنورك الأفق
فنحن فی ذلك الضیاء وفی ❁ النور و سبیل الرشاد نخترق

–(مستدرك للحاکم، ذکر مناقب العباس بن عبدالمطلب بن هاشم عم رسول الله ﷺ : ۳/۳۷۰)

(۱) آپ ﷺ ولادت سے پہلے سایوں (عمدہ حالت) میں تھے صلب (آدم علیہ السلام) میں جہاں پتے (بدن پر) لپٹے جاتے تھے (یعنی جنت میں)۔

(۲) پھر آپ (صلب آدم علیہ السلام میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ) زمین پر اترے نہ اس وقت آپ ﷺ بشر تھے، نہ گوشت کا لوتھڑا اور نہ خون بستہ۔

(۳) بلکہ آپ ﷺ کشتی میں سوار (صلب سام بن نوح علیہ السلام میں) ایک نطفہ تھے اس حال میں کہ بُت نسر اور اس کے پوجنے والوں کو طوفان نے غرق کر دیا۔

(۴) آپ ﷺ منتقل ہوتے رہے ایک پشت سے ایک رحم میں جب ایک زمانہ گذر گیا، دوسرا زمانہ آیا۔

(۵) یہاں تک کہ آپ ﷺ کا مبارک نسب خندف کے بلند نسب سے شامل ہوگیا جب کہ (دوسرے لوگ) اس مقام سے نیچے ہیں۔

(۶) اور جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو زمین روشن ہوگئی اور آپ ﷺ کے نور سے افق روشن ہوگیا۔

(۷) اب ہم اسی روشنی اور نور میں ہیں اور ہدایت کے راستہ پر چل رہے ہیں۔ (مذکورہ اشعار مع ترجمہ اس سے قبل تحریر ہو چکا ہے، مضمون کی مناسبت سے دوبارہ لکھنا بہتر سمجھا گیا)۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے میلاد نگار سنت نبوی ﷺ اور سنت صحابہؓ کے پیش نظر ثواب اور حصول برکت کی نیت سے نور محمدی ﷺ کا ذکر کرتے ہیں۔ مصنفؒ بیان کرتے ہیں:

''روایت ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے جب نور سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمامی عالم وآدم کو پیدا کیا تب خلاصہ اوس نور کا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے آدم صفی اللہ کی پیشانی پر امانت رکھا اور سب فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کریں کہ قرآن شریف میں آیا ہے: اذ قال ربك للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابليس ابى واستكبروكان من الكافرين کہا رب نے تمہارے فرشتو نکو کہ سجدہ کریں آدم کو تب سبھون نے اونکو سجدہ کیا مگر ابلیس جسکو شیطان کہتے ہیں غرور سے حکم خدا کا نہ مانا مردود وکافر ہوا اور یہ عذر کیا کہ خلقتنى من نار وخلقته من طين ہمکو پیدا کیا تو نے آگ سے اور انکو مٹی سے آگ کا درجہ خاک سے بلند ہے اوس کی آنکھوں کو خدا نے اندہی کر دیا تہا کہ قالب آدم کو خاک سے بنا ہوا تو دیکھا اور پیشانی میں آدم کے جو نور تہا وہ اوسے نظر نہ آیا اور نہیں تو جس نور کو خدا درود بھیجے اوسکو کون نہیں سجدہ کرتا کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام اوس نور کی برکت سے فرشتوں اور حوروں..... میں ایسے خوبصورت معلوم ہوتے تہے کہ اون کے حسن کا وے سب تماشا دیکہتے تہے''۔۔۔ (ص:۱۶)

درج بالا عنوان کے ضمن میں حضرت عبداللہ کے نکاح کے واقعات بھی بیان کئے جاتے ہیں، ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ فدیہ کے اونٹوں کی قربانی کے بعد حضرت عبداللہ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، اس واقعہ کے بعد مکہ کی اکثر وبیشتر عورتیں آپ سے نکاح کی خواہش مند تھیں، ورقہ بن نوفل کی بہن ام قتال بنت نوفل اپنے بھائی سے سنتی رہتی تھیں کہ اس امت میں ایک نبی پیدا ہوں گے اس لئے ان کی خواہش تھی کہ یہ شرف ان کو ہی حاصل ہو۔ فدیہ کے اونٹوں کی قربانی کر کے لوٹ رہے تھے تو حضرت عبداللہ کی پیشانی پر ایک نور چمک رہا تھا، جب راستہ میں ان کا گزر ام قتال بنت نوفل پر ہوا، اور اس نے آپ کو دیکھا تو کہا کہ آپ میرے پاس ٹھہر جائیے اور جتنے اونٹ ذبح ہوئے ہیں اتنے میں آپ کو دینے کے لئے تیار ہوں، آپ نے کہا کہ یہ کام

میں نہیں کرسکتا اور آپ اپنے والد ماجد حضرت عبدالمطلب کے ساتھ چلتے رہے، آپ کے والد آپ کو بنی زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف کے یہاں لے گئے اور ان کی بلند اقبال صاحبزادی حضرت آمنہ سے نکاح کر دیا جو اس وقت اپنے قوم کی عورتوں کی سردار تھیں، اس طرح ان کی پیشانی سے نور شکم حضرت آمنہ میں منتقل ہو کر گہوارہ رسالت بن گیا، دوسرے دن حضرت عبداللہ، ام قتال کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ آج تمہاری طرف سے وہ پیشکش نہیں ہے جو کل تھی، ام قتال نے جواب میں کہا:

فارقك النور الذى كان معك بالامس فليس لى بك حاجة۔(السيرة النبوية لابن هشام: ۲۹۲/۱۔السيرة النبوية لابن كثير:۱۷۷/۱)

ترجمہ : جو نور کل تک تمہارے ساتھ تھا وہ (آج) نہیں ہے اس لئے اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔

اس طرح جس نور کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں بطور ودیعت رکھا گیا کئی واسطوں سے حضرت عبداللہ کی پیشانی تک پہنچا اور حضرت آمنہ کو امین نور نبوت بنا دیا۔ حضرت قاضی مخدوم عالمؒ نے اس عنوان کے تحت حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہؓ سے عقد کی روایت کو محفل کی ضروریات کے پیش نظر اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"پھر وہ نور پیشانی سے آدم علیہ السلام کے بواسطۂ چالیس کرسی کے حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی کی پیشانی تک کمال طہارت کے ساتھ پہنچا اور آفتاب سے بھی زیادہ چمکا بہت سی عورتیں بڑے گھرانے کی آرزو رکھتی تھیں کہ حضرت عبداللہ کے نکاح میں در آئیں مگر آمنہ خاتون کے بخت کا ستارہ بلند تھا کہ اونسے حضرت عبداللہ کا نکاح ہوا اور وہ نور مبارک ساعت میں پیشانی سے حضرت عبداللہ کے شکم پاک میں حضرت آمنہ خاتون کے آیا یعنی آمنہ خاتون کو حمل رہا اوس سال عرب کے ملک میں میوے اور غلہ کی کمی سے لوگ نہایت تنگ ہو رہے تھے حضرت آمنہ خاتون کے حمل رہتے ہی تمام زمین سرسبز ہوگئی درختوں میں میوے خوب پہلے پھول و پھل سے سارا جہان باغ و بہار ہوگیا اوس سال کا نام خوشی کا سال کہلایا روایت ہے کہ حضرت آمنہ کو حمل کا بوجہ جیسا کہ عورتونکو ہوتا ہے کبھی معلوم نہوا مگر یہ نمایاں تھا کہ حمل ہے قال النبى صلى الله عليه وآله وسلم ان امى رأت فى منامها ان الذى فى بطنها نور کہا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز آمنہ خاتون حضرت کی ماں نے خواب دیکھا کہ اونکے شکم میں نور ہے جب دو مہینے کا اونکا حمل ہوا حضرت عبداللہ نے وفات کیا چھٹے مہینے میں آمنہ خاتون نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ يا آمنة انك قد حملت خير العالمين فاذا ولدته فسميه محمداً اے آمنہ تمہارے حمل میں بہتر تر سارے جہاں کے تشریف لائیے ہیں جب پیدا ہوئیں تو اونکا نام رکھنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نو مہینے کامل حمل کے گزرے اوسکے درمیان میں اونکو کبھی کسی طرح کا شکوہ کوئی درد یا رنج کے سبب جیسا کہ حاملہ عورتون کو ہوا کرتا ہے ہرگز نہوا بلکہ روز ولادت بھی کچھ درد نہوا چنانچہ آمنہ خاتون نے فرمایا کہ قسم خدا کی نہیں دیکھا ہم نے حمل سے اونکے ہلکا کسی کا حمل اور سچ تو یہ ہے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نرالے نور تھے خدا کے اور نور سے ہر شخص کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور دل شاد پھر کسی کو تکلیف اوس نور سے کیا

ہوتی جیسا کہ آمنہ خاتون کو کوئی رنج نہ پہنچا اور اوس نور کے ظہور سے آسانی کے ساتھ اونکی دونوں آنکھیں روشن ہوگئیں اور جان ودل شاد ہوا دونوں جہان آباد ہوا''۔۔۔(ص:۱۶-۱۸)

ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

ولادت رحمت عالم ﷺ کے متعلق سیرت نگاروں اور میلاد نگاروں میں اختلاف ہے لیکن مشہور اور معتبر قول یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۱۲/ربیع الاول دوشنبہ کے دن ہوئی ،اس اجزائے میلاد میں بھی مصنف ؒ نے یہی قول نقل کیا ہے اور میلاد ناموں کی روایت کے مطابق انہوں نے ذکر ولادت مبارکہ کے وقت نبی اکرم ﷺ کے حضور عقیدت وخلوص کے ساتھ صلوۃ وسلام پیش کیا ہے:

''پہر بوقت صبح دوشنبہ کے دن بارویں تاریخ ربیع الاول کو حضرت نبی الرحمت شفیع الامت سید المرسلین محبوب رب العالمین ہزاروں خیر وبرکت کے ساتہ دنیا میں تشریف لائیے جمال باکمال کی روشنی سے آفتاب ومہتاب شرمندہ ہوگئے آسمان سے زمین تک خوشی کے عالم میں ساری خلقت درود پڑہنے لگی آسمان نے زمین پر نثار ہونے کا پہل اوسی دن پایا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم کی برکت سے زمین کو سرفراز فرمایا ۔

تولد ہوئیے سرور انبیا ❁ تولد ہوئیے مالک دوسرا
تولد ہوئیے سید المرسلین ❁ تولد ہوئیے شاہ دنیا و دین
تولد ہوئیے شافع عاصیان ❁ تولد ہوئیے فخر کون ومکان
تولد ہوئیے نور ذات احد ❁ تولد ہوئیے مرجع چار حد
تولد ہوئیے آفتاب عرب ❁ تولد ہوئیے رحمت خاص رب
تولد ہوئیے قبلۂ فرشیان ❁ تولد ہوئیے کعبۂ عرشیان
تولد ہوئیے پیشوائے امم ❁ تولد ہوئیے رہنمائے امم
تولد ہوئیے شاہ والامقام
علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام
رسول خدا آج پیدا ہوئیے ❁ نبی الورا آج پیدا ہوئیے
جہان کسکے قدموں سے گلزار ہے ❁ مگر مصطفے آج پیدا ہوئیے
کہا جن وانسان نے شکر خدا ❁ مرے رہنما آج پیدا ہوئیے
یہ آواز آنے لگی غیب سے ❁ شہ دوسرا آج پیدا ہوئیے
فدا ہونگے اونپر مہ وآفتاب ❁ عجب دلربا آج پیدا ہوئیے

بر آوے نہ کیوں حاجت بیکسان

کہ حاجت روا آج پیدا ہوئیے"

(ص:۲۰۔۲۱)

ذکر معجزاتیکہ بوقت ولادت ظاہر شد :

رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ کے وقت عجیب اور خارق عادت امور ظاہر ہوئے ۔مصنفؒ نے ان میں سے چند معجزات کا بیان کیا ہے ۔جس وقت حضور ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا اور پھیلتا گیا حتی کہ اس کی روشنی سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے ۔اس عظیم نور سے ملک شام کے محلات روشن ہونے کے متعدد اسباب ہیں جس کا تذکرہ سیرت اور میلاد کی کتابوں میں ملتا ہے کہ ملک شام حضور ﷺ کا ملک ہے، شب معراج آپ ﷺ کو بیت المقدس تک لے جایا گیا جو ملک شام کی سرحد میں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو بسایا اور شام کی طرف ہجرت فرمائی، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کی بعثت سرزمین شام میں ہوئی، سرزمین شام ہی وہ خطہ ہے جہاں حشر ونشر ہوگا اور حضور ﷺ اسی جگہ شفاعت فرمائیں گے، یہی وہ خطہ ہے جہاں تمام انبیاء ورسل علیہم السلام نفسی نفسی کہیں گے اور شافع محشر شفیع المذنبین ﷺ امتی امتی کہیں گے ۔مصنفؒ نے اسباب بیان کرنے کے بعد شفاعت سے متعلق مولانا رومی کے چند اشعار بھی تحریر کئے ہیں جو حسن بیان میں بے مثال ہیں، مصنفؒ لکھتے ہیں :

"معتبر کتابوں نے لکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائیے زمین پر دونوں ہاتھ رکھکر سر مبارک سجدہ کو جھکایا اور تھوڑی سی خاک اوس جگہ کی دونون مٹھیوں میں لیکر آسمان کی جانب سر اٹھایا اوس سے اشارۂ خلاصہ یہ تھا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاک کا درجہ آسمان پر پہچا ئینگے جسپر فرشتے بھی رشک کہائیں گے اور آمنہ خاتون نے دیکھا کہ لب مبارک ہلتے ہیں کان لگا کر سنا تو حضرت امتی امتی فرماتے تہے اور آواز آتی تھی کہ انی عبداللہ خاتم النبیین ہم بندۂ خاص خدا کے ہیں اور نبی آخر زمانے کے یعنی میرے بعد نبی نہوگا قیامت تک میرا ہی دین باقی رہے گا اور آمنہ خاتون نے فرمایا کہ جسوقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئیے ہم نے دیکھا کہ ایک نور ہم سے جدا ہوا اوسکی روشنی میں ملک شام کے مکانات دیکھائی دیئے اور وہ ملک مکہ معظمہ سے بہت دور تھا آمنہ خاتون کو نظر آنا ملک شام کے مکانات کا اسوجہ سے ہوا کہ معراج کی رات کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی منزل بیت المقدس کا مکان تھا وہ جگہ ملک شام کی سرحد میں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ شام حضرت کا خاص ملک ہے اس واسطے کہ حشر کے دن سبھوں کا مقام بیت المقدس میں ہوگا شفاعت سارے خلق کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اوسی جگہ ظاہر ہوگی کہ سب پیغمبر اوسوقت نفسی نفسی کہیں گے اور ہمارے نبی اونپر ہزاروں رحمت خدا کی نثار ہو علیہ الصلوٰۃ والسلام امتی امتی فرمائیں گے یعنی جسطرح کوئی لڑکے کی ماں اپنے کھوئیے ہوئیے فرزند کو ڈھونڈتی ہے اوسی طرح نبی ہمارے ہم گنہگاروں کے بخشانے

ہمارے نازک وقت کے سرپناہ اونہی کے ہاتہ میں ہم سبکی پناہ زلفوں کو پریشان کیئے ہوئیے آفتاب سے زیادہ روشن چہرہ پر گرد وملال دل میں شفقت ورحمت بہری ہوئی حشر کے میدان میں یہی کہتے تشریف لائنگے کہ میری امت کہاں میری امت کہاں اور ایک ایک امت کو تلاش کر کے اپنی رحمت کے دامن میں چہپائنگے اور خدائے تعالیٰ سے ہم سبہوں کا سارا گناہ بخشائینگے ۔

مثنوی

گفت پیغمبر کہ روز رستخیز ❁ مجرمان را کیئے گزارم اشک ریز
من شفیع عاصیاں باشم بجاں ❁ وارہانم شاں ز اشکنج گران
عاصیان اہل کبائر را بجہد ❁ وارہانم از عطائے نقد وجد
صالحان امتم خود فارغ اند ❁ از شفاعت ہای ما روز گزند
بلکہ ایشان را شفاعتہا بود ❁ حکم شان نافذ چو حکم ما بود
گفت پیغمبر شما را اے مہان ❁ چون پدر ہستم شفیق ومہربان
زان سبب کہ جملہ اجزائے منید ❁ جزو را از کل چرا برمی کنید
جزو از کل قطع شد مردار شد ❁ عضو از تن قطع شد بیکار شد"

(ص:۲۵۔۲۷)

ذکر رضاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

حضور ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ سمیت کئی عورتوں کا دودھ پیا جن میں حضرت ثویبہؓ اور حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا نام مشہور ہے، لیکن رضاعت یعنی دودھ پلانے کی سب سے زیادہ سعادت حضرت حلیمہ سعدیہ کو حاصل ہوئی جو قبیلہ بنوسعد بن ہوازن کی تھیں ۔عرب کا دستور تھا کہ وہ اپنے شیر خوار بچوں کو پرورش کے لئے دیہات بھیج دیتے تھے، اسی مقصد سے حضرت حلیمہ سعدیہؓ بنی سعد کی عورتوں کے ساتھ مکہ معظمہ آئی تھیں جب انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو فریفتہ ہوگئیں، آپ ﷺ کو بوسہ دیا اور گود میں اٹھا کر داہنی چھاتی منہ میں دے دی جب انہوں نے رخ بدلنا چاہا تو آپ ﷺ نے انکار کر دیا اور جب تک آپ ﷺ ان کے پاس رہے اسی طرف سے دودھ پیتے رہے، کیونکہ من جانب اللہ آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوگیا کہ کوئی اور بھی دودھ میں آپ ﷺ کا شریک ہے اسی طرح آپ ﷺ نے شیر خواری کے وقت سے ہی دنیا کے سامنے عدل وانصاف کا نمونہ پیش فرمادیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے قدم کی برکت سے حلیمہ سعدیہؓ کے گھر کو رحمتوں اور برکتوں سے بھر دیا، اس گراں بہا دولت کو پانے کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی سواری، تمام سواریوں سے آگے نکل گئی، ان کے گھر میں جو جانور مشکل سے گزارے کے لائق دودھ دیتے تھے ان کے تھنوں سے دودھ چھلکنے لگا یہاں تک کہ اس رات گھر کے تمام افراد شکم سیر ہو کر سوئے ۔بنی سعد کی

زمینیں قحط سالی کی وجہ سے بنجر بن گئی تھیں ،قبیلہ کے جانور لاغر وکمزور ہو گئے تھے،ان کے تھن سوکھ گئے تھے،حضور ﷺ کی برکت سے وہاں کی زمینیں شاداب ہوگئیں ۔قاضی مخدوم عالم صاحب نے حضور ﷺ کے دور رضاعت ،اور وہ معجزات جو اس وقت رونما ہوئے،وہ برکتیں اور رحمتیں جو اس زمانہ میں آپ ﷺ کے سبب نازل ہوئیں،ان کا ذکر مؤثر انداز میں کیا ہے اور اس کے ضمن میں آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں ابولہب کا اپنی لونڈی ثویبہؓ کو آزاد کرنے کے واقعہ کو بھی لکھا ہے،وہ بیان کرتے ہیں:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آمنہ خاتون نے دودہ پلایا بعد اوسکے ثویبہ کہ جنکو ابولہب نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدا ہونے کی خوشی میں آزاد کیا تہا اس سعادت سے سرفراز ہوئیں روایت ہے کہ کسی نے بعد مرنے کے ابولہب کو خواب میں دیکہا احوال پوچہا کہا کہ دوزخ کی آگ میں جلتے ہیں مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدا ہونے کی خبر ثویبہ کی زبانی سن کر خوشی کے عالم میں ثویبہ کو آزاد کیا تہا کہ حضرت کو دودہ پلاویں اوسکی برکت سے دوشنبہ کی رات کو عذاب موقوف ہوتا ہے اور دو انگلیوں کو بتایا کہ اوس سے خنک پانی نکلتا ہے کہ بے تابی کی پیاس میں جی بھر کے پیتے ہیں اے مسلمانو دیکھو تو کہ ایسے دشمن کو اتنی خوشی کرنے پر اوس روز تو خدا نے اسقدر تخفیف عذاب کیا جو کوئی ہمیشہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وتابعداری میں رہے اور حضرت کے پیدا ہونے کے دن اونکی مدح اور ذکر خیر جان ودل سے سنے اور خوش ہو کر ایسے حبیب خدا کی امت ہونے کا شکر بجالاوے اور واسطے راضی ہونے خدا ورسول کے اوس روز صدقہ وخیرات کرے اللہ تعالیٰ اوس کو کیسی کیسی نعمتیں دونون جہان کی بخشے گا راویوں نے لکہا ہے کہ بعد کئی مہینے کے حلیمہ سعدیہ کو اس سعادت کی آرزو ہوئی آمنہ خاتون سے عرض کیا.....رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب حلیمہ اپنے گھر لائیں اونکے اندہیرے گہر میں آفتاب روشن ہوگیا روز بروز اس کے مال واسباب میں بے حساب خیر وبرکت ہونے لگی اوس مکان کی آبادی کا دوسرا طور دیکہائی دیا قدراون کی اوس دن سے ہر ایک کے آنکھوں میں کچہ اور ہی نظر آنے لگی معمول حضرت کے دودھ پینے کا یہ تہا کہ جب حلیمہ حضرت کی دونوں آنکھیں چوم کر دودھ دینے کا ارادہ کرتیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اون کے داہنے طرف سے بقدر ضرورت کے تہوڑا دودھ پیتے اور جب حلیمہ اپنے بائیں طرف سے چاہتیں کہ دودھ پلاویں تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہ پھیر لیتے ہرگز اودہر رخ نہ کرتے کہ وہ حق حلیمہ کے بیٹے کا تہا سبحان اللہ ہمت کا حد ہوا انصاف انتہا تک پہچا ایسا کسی سے ہوا اور نہ ہوسکے گا کہ اوس حال میں ہی دوسرے کی پرورش کا اسقدر ملاحظہ رہے اور اوس سن شریف میں طہارت کا عالم یہ تہا کہ بول وغایط ایک وقت معمول پر اتفاق ہوتا.....نازک نازک ہاتہ پانوں سے زمین پر چلنے لگے تیسرے مہینے کہڑے کہڑے پہرتے تہے نویں مہینے میں میٹھی میٹھی باتیں کرتے آرزومند لوگ حضرت کی چال ڈہال صورت شکل بات چیت پر قربان ہوتے اور ہر ایک ایک ادا وانداز کے مشتاق رہتے پہر آٹھویں برس کے سن شریف میں عبدالمطلب جد حضرت کے دنیائے فانی سے رحلت فرمائے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر گیری کا ذمہ حضرت کے چچا نے لیا کہ وے حضرت عبداللہ کے حقیقی بہائی تہے جب حضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن بارہ برس کا ہوا تب آمنہ خاتون حضرت کی ماں نے وفات کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یتیمی کے ساتھ تنہائی بھی آئی لیکن سبحانہ تعالیٰ نے صبر وشکیبائی کا آسمان عقل ودانائی کا آفتاب پیدا کیا تنہا ہر آن صدمے اوٹھائے پر حرف شکایت کا منہ سے نہ نکلا''۔۔۔(ص:۲۹۔۳۲)

ذکر چند حالات متفرقہ :

قاضی مخدوم عالمؒ نے حضور ﷺ کے دوسرے کئی محاسن ومحامد، فضائل وکمالات اور معجزات کو الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کرنے کی بجائے ایک ہی عنوان کے ضمن میں مختصر بیان کیا ہے، حضور ﷺ کی خصوصیات میں بروز قیامت شفاعت کبریٰ بھی شامل ہے، اس روز آپ ﷺ اپنی امت کی بخشش کروائیں گے اور حوض کوثر سے پلائیں گے، مصنفؒ نے بیان کے آخر میں اشعار کے ذریعہ روز محشر بخشش وشفاعت کی جو منظر کشی کی ہے ان سے ایک خاص اثر اور تاثیر کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اگر میلاد خواں لحن داؤدی کے ساتھ ان اشعار کو پڑھے تو حاضرین مجلس پر وجد وکیفیت طاری ہوجائے، کمالات کا ذکر کرتے ہوئے مصنفؒ رقمطراز ہیں:

''.....اور بروز حشر جب کہ آفتاب ایک نیزے پر ہوگا.....آپ بنظر مکرمت برحال امت اوس کنگھی سے نور کے زلف مبارک اور لحیہ شریف کو جھاڑیں گے اوس سے غبار مانند مشک تارتار اور عنبر اشہب کے جمع ہوکر اوس حصار نار اور امتان سید مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان میں حاجب اور دیوار اور سر پر مثل ابر کرم سایہ گستر ہوگا کہ اوس سایہ میں گرمیٔ آفتاب کے ادراک سے امتان ضعیف انسان بچیں پھر وقت حساب انبیا ایک جانب عرش اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوس جانب کو جدھر سے دوزخیان دوزخ میں جائیں گے بایں مصلحت کرسیٔ نور پر جلوہ افروز رہیں گے کہ اپنی امتونکو بچا کر اوس سے باز رکھیں اور بخشائش گناہوں کی انہوں کی چاہیں.....اور ایک ایک امتوں کی اپنے اپنے ہاتھ سے سیراب آب کوثر سے کریں گے پس دیکھو تو اے امتان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی حال میں اپنی امت کو نہ بھولیں گے ایسے سرپناہ اپنی امت کے ہیں کہ ہمیشہ سوائے بخشائش امت کے کچھ نہ چاہا آپ تو یوں کریں اور ہم لوگ تقصیر طاعت اور محبت سے شرمندہ رہیں پس چاہئے کہ ہر آن اون کی تابعداری اور محبت میں کمر باندھے رہیں اور جان ودل اون کے نام سے تصدق کریں یا الٰہی توفیق دے ہم لوگوں کو باستحصال اس دولت بے زوال کے بعنایت اوس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ؎

اے عزیز و خاتم پیغمبراں ❁ مشفق از مادر پدر ہیں بے گماں
سختیٔ موت اون کے بدلے ہم سہیں ❁ پر مری امت نہ ایذا میں رہیں
مدت العمر الغرض خیر الورا ❁ اس طرح کرتے رہے حق سے دعا
حشر میں وہ عذر خواہ عاصیاں ❁ غم گسار سرپناہ امتان
زلف وجسم وچہرۂ روشن پہ گرد ❁ لب پہ حرف امتی باہ سرد

یوں کریں گے امتوں کی جستجو ❁ جیوں کہ ماں بیٹے کو ڈھونڈے چارسو
گر کسی امت پہ دیکھیں کچھ عذاب ❁ مو بمو زلفوں کو سو سو پیچ و تاب
حق سے سجدہ میں کریں یہ التماس ❁ ہم کو ہے یارب گنہگاروں کی پاس
سجدہ سے اب سر اٹھاویں گے نہیں ❁ بے امم جنت میں جاویں گے نہیں
اے مسلمانو کرو انصاف اب ❁ امتوں کے واسطے محبوب رب
اسقدر رنج و پریشانی سہیں ❁ یوں شفاعت پر کمر باندھے رہیں
حیف میرے واسطے سلطان دیں ❁ فکر بخشائش میں ہوں اندوہ گیں
اس ندامت سے نہیں اوٹھنے کا سر ❁ ہم سے ہو جرم اور حزیں خیر البشر
......اورتو ہو یا نہو کچھ خیر وجود ❁ پر نبی پر بھیجئے ہر دم درود
ربنا صل علی خیر الورا ❁ وعلی اولادہ شمس الھدی
قدر اِنَّ قدر کل ذرۃ ❁ من صلوٰۃ الف الف مرۃ"

___(ص:۳۶-۴۱)

اجزائے میلاد کے آخر میں قاضی مخدوم عالمؒ نے امت مسلمہ کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ جب تک کہ وہ اپنے مال و متاع، زن و فرزند اور جان سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت نہیں کریں گے تب تک ان کا ایمان ناقص ہے اس کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اس سے پہلے آپ ﷺ کو مال اور اہل وعیال سے زیادہ چاہتا تھا لیکن اب آپ ﷺ پر دل و جان سے فدا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا اب تمہارا ایمان تمام وکمال ہوا۔

بلا شبہ اجزائے میلاد فنی محاسن کے اعتبار سے بہت وقیع ہے جس میں مصنف کے شیفتگی اور اخلاص کا انداز بہت نمایاں ہے، ان کا میلاد نامہ ان کی فدائیت کا ترجمان ہے۔ مصنف نے حضور ﷺ کے میلاد اور اوصاف وکمالات کو بیان کرنے میں متانت و شائستگی کو برقرار رکھا ہے، اور اس موضوع کے تقدس وتقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اجزائے میلاد کا اختتام حضرت مولانا وصی احمد نعمتی پھلواروی ؒ اور حضرت مولانا شاہ بہجت پھلواروی ؒ کے مدحیہ کلام پر ہوا ہے، پہلا کلام فارسی زبان میں ہے اور دوسرا عربی میں، دونوں کلام درج ذیل ہیں۔

مدح درصلوٰۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

حضرت مولانا شاہ وصی احمد نعمتی پھلواروی ؒ کا کلام:

یارب بس است مارا یک دلربا محمد ❁ صل علی محمد صل علی محمد

برماو جملہ عالم رحمت بود چو ذاتش ❁ ارحم علی محمد ارحم علی محمد
چوں اوسلام خواند برما تو نیزاے دل ❁ سلم علی محمد سلم علی محمد
اے دل اگر تو خواہی بینی جمال مطلق ❁ انظر الی محمد انظر الی محمد
خوش آنکہ بر دراو خوانم چو بے نوایاں ❁ یا مصطفی محمد یا مصطفی محمد
خوش دعوتے نمودی اے صد چو من فدایت ❁ لبیک یا محمد لبیک یا محمد

حضرت مولانا شاہ بہجت پھلواروی ؒ کا کلام:

السلام علیك منی و الصلاۃ یا رسول ❁ لیس لی حسن العمل کیف النجات یا رسول
ما اقول کیف حالی حیث لایخفی علیك ❁ انت تعلم ما مضی و ما سیأتی یا رسول
ان فی ھجرك عذابا فی عذاب لا یطاق ❁ ان فی وصلك حیاۃً فی الحیاۃ یا رسول
کنت کنزا مخفیا فی کنت کنزا مخفیا ❁ اختفاء النخل فی عین النوات یا رسول
انت موج اول الامواج فی البحر القدیم ❁ لیس مثلك ممکنا فی الکائنات یا رسول
انت خیر الخلق خیر الانبیاء خیر البشر ❁ مصدر الخیرات محمود الصفات یا رسول
انت غیث الفیض انبتنی نباتا مثل ما ❁ انبتك اللّٰہ من حسن النبات یا رسول
انت جواد کریم نحن قوم سائلون ❁ من نصاب الفضل شیئا فی الزکات یا رسول
فضلك بحر عمیق رحمة للعالمین ❁ کیف نتعطش علی شط الفرات یا رسول
حنّ من شوقك حنان الاسطوانۃ فی الفراق ❁ سبح للّٰہ فی کفك حصات یا رسول
غبت عن ابصارنا لکن ترانا لا نراك ❁ فیضك جار کما فی القنات یا رسول
نحن تیاھون فی تیه المعاصی حسرتا ❁ مثل ادراج الریاح فی الفلات یا رسول
غول نفسی راودتنی عن صراط مستقیم ❁ اھدنا للّٰہ یا اھدی الھدات یا رسول

—(ص:۴۲-۴۳)

—(جاری)

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

سلطان المشائخ کے پیر ومرشد
شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید الدین گنج شکر

• سید نورین علی حق

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی المعروف بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ــــ(۱) کی خدمات جلیلہ اور اصلاح مریدین وعوام ناقابل فراموش ہیں ۔آپ کی ذات والاصفات کے ذریعہ غیر منقسم ہندوستان کے دور دراز علاقوں تک سلسلۂ چشتیہ کا نور پھیلا اور ہندی عوام نور توحید سے آشنا ہو سکے ۔مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اہم بات کہی ہے کہ ’’جس طرح حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے مؤسس وبانی ہیں، خواجہ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ اس کے مجدد اور اس سلسلہ کے آدم ثانی ہیں‘‘ ــــ(۲) مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی نے حضرت بابا فرید گنج شکر کو سلسلۂ چشتیہ کا مجدد اور آدم ثانی اس لیے کہا ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے دو مرید خاص سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور پیکر جلال حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ چشتیہ فروغ پاسکا اور آج بھی پورے برصغیر ایشیا میں سلسلہ نظامیہ اور صابریہ کی متعدد شاخیں ہیں، جو سلسلے کے فروغ واشاعت کو یقینی بنا رہی ہیں ۔بابا فرید الدین گنج شکر کے حوالے سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے کچھ اقوال بھی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ بابا فرید گنج شکر پر ان کی بھی خصوصی توجہ تھی ۔ ’’فرید شمع است خانوادۂ درویشاں روشن خواہد کرد ــــ(۳) ایک جگہ بابا فرید گنج شکر کے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو سلطان الہند نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ’’بابا قطب الدین شاہبازے عظیم در دام آورد کہ بجز سدرۃ المنتہی آشیانہ نمی گیرد‘‘ ــــ(۴) دادا پیر کی یہ دو پیشن گوئیاں سچ ثابت ہوئیں اور درویشوں کا خانوادہ، خانوادۂ چشت روشن بھی ہوا اور دنیا نے دیکھا کہ بابا فرید الدین گنج شکر کا مقام ومرتبہ کیا ہے ۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے کوائف اور حالات، سفر وحضر اور خدمات کی مکمل ومعتبر تفصیل

تقریباً ناپید ہے ۔زیادہ تر کتابوں نے زیادہ تر کرامات پر انحصار کیا ہے ۔ان میں چند ایک کتابیں ہیں،جنہوں نے احوال و واقعات کو چھان پھٹک کر معتبر احوال اخذ کیے ہیں ۔شاید یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر کتابوں میں ایک ہی طرح کے واقعات نظر آتے ہیں ۔معتبر کتب احوال سے بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی جو ابھر کر سامنے آتی ہے ۔وہ ایک موحد،مبلغ،پرعزم،اعلی افکار سے لیس،استاذ،شہرت سے دور ونفور شیخ مرتاض،مسترشدین کی اصلاح میں منہمک شخصیت اور شخصیت ساز کی ہے ۔

شہرت سے دوری :

صوفی تاریخ میں شہرت کو ناپسند کرنے والے صوفیا میں حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کا بڑا مقام ہے،انہوں نے نہ صرف اپنے لیے شہرت کو ناپسند کیا بلکہ اپنے مریدین ومسترشدین اور خلفا و پیر بھائیوں کو بھی اس سے احتراز کا مشورہ دیا اور اپنے اس مشورے پر عمل کرایا۔صاحب سیر الاولیا کے مطابق مسلسل مجاہدوں کے بعد ایک مرتبہ بابا فرید گنج شکر نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے عرض کیا کہ اگر فرمان ہو تو ایک چلہ کرلوں ۔یہ بات پیر ومرشد پر گراں گزری،آپ نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں ۔ان چیزوں سے شہرت ہوتی ہے ۔آپ نے التماس کیا کہ خواجہ کو معلوم ہے کہ مجھے شہرت سے کوئی غرض نہیں ۔ حضرت گنج شکر فرماتے ہیں کہ ”مجھے ساری عمر اس بات سے پشیمانی رہی کہ میں نے کیوں ایسی بات کی،جو حضرت خواجہ پر گراں گزری“۔۔۔(۵)

شاید یہیں سے ایک مزاج بن گیا کہ نہ خود شہرت کو پسند کریں گے اور اپنے مسترشدین کو بھی اس سے دور رکھیں گے ۔ شیخ الاسلام والمسلمین کے زمانے میں بھی اور اس کے بعد تو بہت سے ایسے صوفیا ہیں،جنہوں نے شہرت کو اپنی دنیاوی کامیابی کا زینہ بنایا اور شہرت کی وجہ سے انہیں فائدہ بھی ہوا۔اس کے برعکس حضرت بابا فرید گنج شکر نے ہمیشہ شہرت سے خود کو دور رکھا اور شہرت سے بچنے کے ذہن نے ہی انہیں دہلی میں قیام پذیر نہ رہنے دیا۔وہ کبھی دہلی میں تو کبھی ہانسی اور کبھی اجودھن اور کھتوال میں قیام پذیر ہوتے رہے ۔ہانسی،اجودھن،کھتوال یہ سارے مقامات اس زمانے میں بھی ہندوستان کے مرکزی شہروں سے دور تھے اور آج بھی دور ہیں ۔بابا فرید شہرت سے دوری کی بار بار تاکید فرماتے تھے ۔تاکہ کبر ونخوت سے دوری قائم رہے اور ان کے مسترشدین عجب کے قریب بھی نہ پہنچ سکیں ۔

”ایک مرتبہ حضرت قطب الموحدین۔۔۔(۶) کے پاس درویشی کا مسئلہ پیش ہوا۔آپ نے فرمایا کہ درویش کو پردہ پوش ہونا چاہئے نیز درویش کے لیے چار چیزیں لازمی ہیں ۔اول یہ کہ وہ اندھا بن جائے ۔تاکہ لوگوں کے عیوب نظر نہ آئیں ۔ دوسرے کانوں سے بہرا بن جائے تاکہ کوئی برائی نہ سننے پائے ۔تیسرے زبان کو بند کرلے تاکہ کوئی نہ کہنے والی بات نہ کہے ۔ چوتھے لنگڑا بن جائے تاکہ خواہش پر کہیں نہ جاسکے،جس میں یہ چار خصلتیں نہ پائی جائیں وہ درویشی کے قابل نہیں“۔۔۔(۷)

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے یہی وہ اصول ہیں،جنہوں نے نہ صرف انہیں بلکہ ان کے مریدین کو

بھی منفرد شناخت دی، بابا فرید نے خود ان تمام باتوں پر عمل کیا، جو ان کے شیخ حضرت قطب الاقطاب نے فرمایا، اس لیے انہیں سلطان المشائخ جیسا مرید بھی ملا، جس نے ان کے متصوفانہ خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا اور شیخ کبیر کے اقوال واعمال کو اپنے دانتوں سے پکڑے رکھا۔ شہرت اور نمائش سے بچنے کے لیے نہ صرف انہوں نے نثری نصیحت کی بلکہ اپنے اشعار میں بھی اپنے اس نظریے کو پیش کیا۔ چوں کہ شہرت سے دور رہنا معمولی بات نہیں ہے۔ نفس اس کا تقاضا بھی کرتا ہے اور ہر زمانے میں دنیا بھی اس کی طلب گار رہی ہے۔ شاید اسی لیے بابا فرید جا بجا شہرت سے بچنے کی تاکید فرماتے رہے۔

اشلوک نمبر ۱۱۸ میں فرماتے ہیں:

فرید درویشی گا کھڑی، چوپڑی پریت
اکن کنھے چالی اے درویشا دی ریت

اے فرید! اصلی درویشی کا طریق بڑا کٹھن ہے۔ یہ لمبے لمبے جبوں اور ہزار دانہ تسبیحوں والی درویشی جو عام طور پر دیکھنے میں آتی ہے۔ دکھاوے کی پریت جیسی ہے۔ یہاں کتنے لوگ ایسے ہیں، جنہوں نے اصل درویشی کی ریت کو صحیح طور پر چلایا اور نبھایا ہے؟ کم، بہت کم ــــ (۸)

سلاطین سے بے نیازی :

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں شہرت، نمائش اور خود پسندی کے خلاف تاکیدیں کیں وہیں انہوں نے ہمیشہ خود کو اور اپنے متعلقین ورفقا، مریدین وخلفا کو بھی بادشاہوں سے دور رکھا۔ اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ انہیں بادشاہوں سے کسی طرح کی کوئی ذاتی دشمنی تھی یا بادشاہت کو وہ اپنے لائق سمجھتے تھے، اس لیے بادشاہوں کو حسد کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان سے دور رہتے اور اپنے لوگوں کو دور رکھتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ بادشاہوں سے قربت ونزدیکی اصل درویشی سے مانع ہے اور سالک کو ارفع ترین منازل تک رسائی سے دور رکھتی ہے۔ چوں کہ بادشاہوں سے قربت انسان کو تملق باز بناتی ہے، جھوٹ بولنا سکھاتی ہے، انسانوں میں کبر ونخوت پیدا کرتی ہے اور خود کو اعلیٰ بتاتی ہے۔ اس لیے وہ جڑ ہی کاٹ دی جائے، جس سے علائق دنیوی کا خدشہ پیدا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں "اصل الاصول درویشی حضوریٔ قلب ــــ (۹) ہے اور حضوریٔ قلب اسی وقت حاصل ہوتی ہے، جب کہ اکل حرام اور ارباب دنیا سے مکمل پرہیز کیا جائے" ــــ (۱۰)

صرف ارباب دنیا اور بادشاہوں سے دوری ہی کو بابا صاحب نے ضروری نہیں سمجھا، انہوں نے بادشاہوں کے بچوں سے بھی درویشوں کو دوری اختیار کرنے کی تاکید کی۔ لواردتم بلوغ درجة الكبار فعليكم بعدم الالتفات الى ابناء الملوك ــــ (۱۱) بابا فرید کا نظریہ ہے کہ اگر کوئی درویش درویشی کے اعلیٰ منازل طے کرنا چاہتا ہے تو شہزادوں سے دور رہے کہ شہزادوں کی قربت بادشاہ کی قربت کا سبب بن سکتی ہے۔

آپ کے پیر بھائی شیخ بدرالدین غزنوی ــــ (۱۲) التمش کے انتقال کے بعد ملک نظام الدین خریطہ دار ــــ (۱۳) سے وابستہ ہو گئے تھے اور خریطہ دار نے شیخ غزنوی کے لیے خانقاہ بنائی تھی، جس میں وہ رہنے لگے تھے۔ خریطہ دار کی تباہی کے دنوں میں شیخ غزنوی بھی محفوظ نہ رہ سکے اور پریشانی کی حالت میں انہوں نے بابا فرید سے دعا کی درخواست کی۔ اس پورے واقعے کو فوائد الفواد نے نقل کیا ہے، فوائد الفواد کے علاوہ یہ واقعہ سیر العارفین اور سیر العارفین کے حوالے سے بزم صوفیہ اور بزم صوفیہ کے حوالے سے تاریخ دعوت وعزیمت نے بھی نقل کیا ہے۔ شیخ غزنوی کی درخواست پر بابا صاحب کا جواب قابل ملاحظہ ہے کہ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کا پیر بھائی ناراض ہو جائے گا اور رشتے میں کڑواہٹ پیدا ہو جائے گی۔ انہوں نے شیخ غزنوی کو ان کے اسلاف کا طریق کار یاد دلاتے ہوئے۔ جواب دیا:

"ہر کہ بر سیرت وسنت پیران خود نرود او ہم چنیں باشد یعنی چوں پیران ما را رسم خانقاہ نبود او علاحدہ خانقاہی کند بنشیند از ینہا بیند" ــــ (۱۴)

انہوں نے اپنے اور شیخ بدرالدین غزنوی کے پیران سلاسل کا طریقہ یاد دلایا ہے کہ ہمارے شیوخ کسی سے خانقاہ بنوا کر اس میں نہیں بیٹھا کرتے تھے۔ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ یہاں قل الحق ولوکان مرا پر عمل کرتے ہوئے سچ اور تلخ بات کہہ رہے ہیں۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ میں جس درجہ بے نیازی تھی، اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل امر ہے۔ اگر کبھی کسی مجبوری کے تحت بادشاہ کو خط لکھنا پڑا تب بھی خط کا اسلوب ایک موحد، ایک بے نیاز صوفی، ایک باوقار انسان کا ہوتا تھا، جو ظاہر ہے کہ بادشاہی عہد کے خلاف طریق کار تھا، مگر وہ طریقہ بندگان خدا کا طریقہ تھا۔ تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن بابا فرید کا معتقد تھا اور انہیں کی دعا سے اسے بادشاہت بھی ملی تھی۔ حضرت نے ایک مرتبہ ایک شخص کے اصرار پر بادشاہ کو ایک خط لکھا۔ وہ خط آج بھی تمام صوفیا کے لیے قابل عمل ہے۔

رفعت قضیتہ الی اللہ ثم الیك،فان اعطیتہ فالمعطی ھواللہ،وانت المشکور،وان لم تعطیہ شیئافالمانع ھواللہ،انت المعذور ــــ (۱۵) یہ خط بنیادی طور پر سفارشی ہے، مگر اس میں کوئی ایک لفظ سفارشی نہیں ہے۔ شاید اسی طرح کے اسلوب کو پیغمبرانہ اور صحابیانہ اسلوب کہتے ہیں، اس اسلوب کی ابتدا یہاں سے ہوئی تھی کہ انترك سنۃ حبیبی لھولاء الحمقا جہاں نہ بادشاہت اور نہ بادشاہ کی مرعوبیت ہے نہ دبدبہ بلکہ ایک موحد کی پرتاثیر زبان کا اثر صدیاں گزر جانے کے باوجود باقی ہے۔ یہ شان بے نیازی فاقہ کش زندگی ہی حاصل کر سکتی ہے، جس کے رگ وریشے میں جاہ ومنصب، مقام ومرتبے اور مال ودولت کے لیے کوئی جگہ ہی نہ ہو اور اسی عملی زندگی کو دیکھ اور برت کر کوئی سلطان جی بنتا ہے اور جب ان کے عہد کا بادشاہ خلجی ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتا ہے تو وہ عقبی دروازے سے گھر سے باہر نکل جاتے ہیں۔

درج بالا عربی خط اصرار کی وجہ سے غصے اور ناراضگی میں نہیں لکھا گیا ہے۔ باباصاحب نے خدا کے علاوہ کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز ہی نہیں کیا۔ان کا نظریہ ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی شیے خدا کے علاوہ کسی سے طلب نہیں کرنی ہے۔ باباصاحب کی خصوصیت یہی ہے کہ ان کا ظاہر و باطن، نثر و نظم سب ایک ڈھرے پر چلتے ہیں۔ان کے نظریات کہیں متصادم نہیں ہوتے۔اشلوک نمبر ۴۲ر میں فرماتے ہیں:

بار پرائے بینا سائیں مجھے نہ دیہہ
جے توں ایویں رکھسی، جیو سریروں لیہہ

ترجمہ : اے فرید! پرائے در پر بیٹھنا اور خدا کے سوا کسی اور سے کچھ مانگنا خدا مجھے نہ دے لیکن اے پروردگار! اگر تو اسی طرح مجھے دوسروں کے دروازے پر ڈالنا چاہتا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ تو میری جان میرے تن سے نکال لے تاکہ میں دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی ذلت سے بچ جاؤں۔۔۔(۱۶)

بے نیازی کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ سلطان ناصر الدین محمود کا نائب السلطنت غیاث الدین بلبن چار گاؤں کا فرمان اور نقد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ غیاث الدین نے کہا ”یہ کچھ نقد ہے اور یہ جاگیر کا فرمان سلطانی۔“ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا: نقد دے دو اور فرمان واپس لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں، یہ کہہ کر ساری رقم اسی وقت درویشوں میں تقسیم کر دی“۔۔۔(۱۷) چشتی بزرگوں کا یہ بے نیازانہ رویہ ہی عوام کو ان سے قریب اور بادشاہوں کو دور کرتا رہا ہے۔نائب السلطنت کا خود چل کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور چار گاؤں کی جاگیر پیش کرنا، اسے واپس کرنا اور نقد لے کر بلا تاخیر درویشوں میں تقسیم کر دینا تو موضوع بحث ہے ہی، اسی کے ساتھ اس عبارت میں ایک جملہ کہ جاگیر کا فرمان واپس لے جاؤ، اس کے طالب بہت ہیں، سب سے زیادہ موضوع بحث ہے۔ یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس زمانے میں بھی علما اور صوفیا کی ایسی خاصی تعداد تھی، جو جاگیروں اور بادشاہ کی قربت کے خواہاں اور متمنی ہوتے تھے۔اس کی مثالیں بھی موجود ہیں لیکن اس زمانے سے اب تک عمومی طور پر چشتی بزرگوں اور خانقاہوں نے جاگیرداری اور بادشاہی التفات سے خود کو دور رکھا۔

غریب عوام سے قربت :

باباصاحب نے بادشاہوں اور شہزادوں سے جتنی دوری اختیار کی، اس کے برعکس جب بھی کسی عام آدمی نے آپ سے مدد طلب کی یا آپ سے آپ تک نہ پہنچ پانے کی شکایت کی تو آپ نے اسے صدائے غیبی سمجھ کر عوام سے خود کو قریب کیا۔حالاں کہ باباصاحب عبادتوں، ریاضتوں، چلۂ معکوس۔۔۔(۱۸)، طے۔۔۔(۱۹) کے روزوں اور اپنی فاقہ مستیوں میں اتنے مصروف ہوتے تھے کہ حرم اور اولاد کی بھی فکر نہیں ہوتی تھی۔انھوں نے اپنی پوری کائنات خدا کے نام وقف کر دی تھی۔کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا سب خدا کے لیے تھا۔صورت حال یہ تھی کہ ایک اہلیہ نے جب بتایا کہ آپ کا ایک بیٹا فاقے کی وجہ سے جاں کنی کے عالم

میں ہے۔شیخ شیوخ العالم نے سر مراقبے سے اٹھا کر فرمایا''بندہ مسعود کیا کرے،اگر حق تعالی کی تقدیر یہی ہے''۔۔۔(۲۰)لیکن کبھی بھی باباصاحب کسی عام انسان کی دل شکنی نہیں کرتے تھے۔عوام کی دل جوئی،ان کی حوصلہ افزائی اوران کے لیے جائے قیام تبدیل کرنا انہیں گوارا تھا۔اسی کو کہتے ہیں دلوں پر حکمرانی کرنا،جوآج تک باباصاحب کے ساتھ عمومی طور پر متقدمین چشتی بزرگوں کو حاصل ہے۔جب کہ ناصر الدین محمود اپنے نائب السلطنت الغ خان یعنی غیاث الدین بلبن کے ساتھ اوچ اور ملتان کے سفر پر روانہ ہوا تو اجودھن میں پورا لشکر باباصاحب کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔عوام وخواص کا ازدحام تھا۔اسی ازدحام میں ایک بوڑھے فراش کا یہ واقعہ دیکھیں:

''تا یکے فراشے پیرے بیامد واز مریداں کہ گرد برگرد ایستادہ بودند بگذشت ،در پائے شیخ افتاد و پائے مبارک بگرفت وبکشید تا بوسد،شیخ رادشوار آمد۔آں فراش گفت:شیخ المشائخ حضرت شیخ فریدالدین تنگ می آئی۔شکر نعمت خدائے تعالیٰ بازیں بگذار،چوآں فراش ایں سخن بگفت شیخ نعرہ بزد،آں فراش را بنواخت بسیار معذرت کرد''۔۔۔(۲۱)

بیٹے کے لیے تو یہ حکم ہوا کہ اگر خدا نے یہی تقدیر لکھی ہے تو فرید کیا کرسکتا ہے۔دوسری طرف ایک بوڑھا فراش جب مریدوں اور خدام کے حلقے کو پار کرتا ہوا آپ کے قدم مبارک تک پہنچا اور اس نے بوسہ دیا،آپ پریشان ہوئے تو اس نے کہا کہ آپ خدا کا شکر ادا کریں تو آپ نے نعرہ مارا اور ضعیف سے معذرت بھی کی۔اس کے حال پر نوازش بھی فرمائی۔بابا صاحب کا یہی انداز درویشانہ انہیں نہ صرف ان کے زمانے میں بلکہ بعد میں بھی دیگر صوفیا اور درویشوں سے انہیں منفرد بناتا ہے۔چشتی صوفیا ہمیشہ عملی وقولی اعتبار سے الخلق عیال اللہ پر عمل کرتے رہے ہیں۔اسی لیے وہ عوام کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

قطب المشائخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی رحلت کی خبر پر جب آپ دہلی تشریف لائے اور شیخ کے خالی سجادے کو رونق بخشی تو یہاں عوام کا آپ سے ملنا اور آپ تک رسائی حاصل کرنا ذرا مشکل ہوگیا۔دہلی میں قیام کو ابھی تین دن ہی ہوئے تھے کہ ہانسی سے سرہنگا نامی شخص آپ کی زیارت کے لیے دہلی وارد ہوا۔اس نے کئی بار آپ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ایک روز باباصاحب باہر نکلے تو سرہنگا آپ کے قدموں سے جالگا اور رونے لگا۔اس نے کہا کہ آپ ہانسی میں تھے تو ہم بآسانی زیارت کرلیا کرتے تھے۔آپ تک پہنچنا اب مشکل ہوگیا ہے تو آپ نے ہانسی کا سفر یہ کہتے ہوئے اختیار کرلیا کہ ''میرے پیر نے جو نعمت مجھ کو عطا فرمائی ہے،وہ شہر اور بیابان میں برابر ہے(اس کے لیے جگہ کی کوئی قید نہیں)''۔۔۔(۲۲)

جہاں کہیں انہیں نام ونمود اور نمائش کا احساس ہوتا اور انہیں محسوس ہوتا کہ ان کی شہرت ہو رہی ہے،لوگوں کا ازدحام بڑھ رہا ہے تو وہ اس جگہ کو ترک کردیتے۔انہیں عوام کے قریب رہنا تو گوارا تھا لیکن اپنے نفس کو شہرت کا خواہاں بنانا گوارا نہیں تھا،جہاں بے اعتدالی کا احساس ہوتا وہیں وہ اپنی اور اپنے مریدین وخلفا کی گرفت کرتے۔

آج معاملہ پوری طرح تبدیل ہوگیا ہے۔ باباصاحب کے لیے اس زمانے کا تصور بھی مشکل تھا۔ آج سارا نظم واہتمام مریدوں کے ذمہ ہوتا ہے، سارے اخراجات خود مرید برداشت کرتے ہیں اور پیران طریقت آسائش سے لطف اندوز ہوتے ہیں ۔لیکن باباصاحب اوران کا کنبہ پیلو اور جنگل میں اگنے والی اشیا پر اکتفا کرتے، مریدین ومتوسلین اور معتقدین کے لیے کھانے کا نظم ہوتا، جس کی پوری تفصیل سیر الاولیا میں درج ہے۔

سلطان جی نے فرمایا کہ ''درویشانہ روٹی اوران چیزوں پر جو وہاں کے جنگل میں اگتی ہیں، مثلاً پیلو اور اس جیسی دوسری چیزیں ان پر قناعت فرماتے تھے ۔لیکن اس کے باوجود لوگوں کی آمدورفت کی کوئی حد نہ تھی، پھر بھی آپ کے گھر کا دروازہ تقریباً آدھی رات تک کھلا رہتا اور خدا کے فضل وکرم سے کھانا ہر وقت تیار رہتا، ہر آنے جانے والا کھانا کھاتا، کوئی شخص آپ کی خدمت میں آتا، جو چیز بھی اس کا مقدر ہوتی اسے حاصل کرتا، عجیب رزق اور عجیب زندگی تھی، جو ہر شخص کو میسر نہیں ہوتی''۔۔۔(۲۳)

آج ہم اس رویے کا تصور بھی نہیں کرسکتے کہ خود تو روکھی سوکھی روٹی کھائیں اور مریدوں تک کھانا پہنچائیں۔ یہ تو سوچنا بھی ہمارے لیے مشکل بلکہ ناممکن ہے ۔لیکن باباصاحب ایسا کرتے تھے۔ باباصاحب کا مریدین ومتوسلین اور معتقدین سے دلی اور قلبی لگاؤ ہی تھا کہ آپ کے گھر پر افطار کا انتظام نہیں ہوتا لیکن اپنے نظام کو سفر کے خرچ کے لیے ایک سلطانی دیتے۔۔۔(۲۴)

باباصاحب ترک دنیا کے اس مرتبے پر فائز تھے، جہاں کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ آتا وہ سب مریدین وزائرین اور حاضرین کی ذات پر خرچ کردیتے ۔انہوں نے اپنی حیات مبارکہ کے ذریعے دنیا کے لیے ایسے نقوش چھوڑے ہیں، جو انمٹ ہیں، اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے، جس سے ایک طرف ان کے ترک دنیا کے عملی نظریے کو دیکھا جاسکتا ہے تو اس میں غریب عوام کی محبت اور الفت بھی پوشیدہ ہے۔ وہ مستقبل کے لیے کچھ بھی اٹھا نہیں رکھتے تھے ۔سب کچھ عوام ودرویشوں پر خرچ کردیتے ۔صورت حال یہ تھی کہ جب آپ کا انتقال پر ملال ہوا تو تجہیز وتکفین کا انتظام بمشکل ہوسکا۔

''ترک دنیا کی مناسبت سے آپ (سلطان المشائخ) نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کا یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ کے پاس جو سونا چاندی اور نعمتیں آتی تھیں، آپ سب خرچ کردیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو تجہیز وتکفین کا انتظام کرنا مشکل ہوگیا۔ چناں چہ وہ کچی اینٹیں، جو قبر کے اندر لحد کے لیے ہوتی ہیں۔ موجود نہ تھیں اس کے لیے اس دروازے کو جو کچی اینٹوں کے ذریعہ لگایا گیا تھا، اکھاڑا گیا اور وہ کچی اینٹیں لحد میں لگائی گئیں''۔۔۔(۲۵)

ایک طرف آنے والوں کے لیے کھانے اور تحفے کا انتظام اور دوسری طرف قبر کے لیے کچی اینٹوں کا انتظام نہ ہونا یہ نہ صرف ترک دنیا ہے، بلکہ یہ ترک دنیا کی معراج بھی ہے اور آئندہ نسل کے لیے درس عمل بھی۔

صوفیا بالخصوص متقدمین چشتی بزرگوں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ طول طویل تقریریں نہیں فرماتے، عمل کرکے دکھاتے ہیں، جس سے صاحب معاملہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ چند ایک جملوں میں سامنے والے کو سوچنے پر مجبور کردینا، یہ طاقت

زبان میں نہیں ہوتی کسی کا عمل ہی ایسا کرنے پر مجبور کرسکتا ہے اور یہ خصوصیت باباصاحب میں بکمال وتمام موجود تھی۔حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری کے نواسے مولانا شرف الدین ایک مرتبہ باباصاحب سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔انہوں نے اپنی لونڈی کا کاڑھا ہوا رومال اور اس کا سلام آپ کی خدمت میں پیش کیا۔آپ نے ارشاد فرمایا''خدا اسے آزادی دے''۔۔۔(۲۶) یہ سنتے ہی مولانا سوچنے لگے اور بالآخر اس لونڈی کو باباصاحب کے پاس قیام کے دوران آزادی دے دی۔

تصوف رویے کا ہی نام ہے،تصوف اعلی اخلاق کے مظاہرے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے،نظریاتی بحثوں سے تصوف کی تفہیم ممکن ہے نہ تصوف کے اصولوں کا اظہار،تصوف سماج،معاشرے،غربا اور دبے کچلے عوام کی فکر کرتا ہے اور یہ فکر نظریاتی نہیں عملی ہے۔جس کا مظاہرہ باباصاحب کی زندگی کے ہر لمحے سے ہوتا ہے۔

عصبیت سے پاک اور جلوت وخلوت میں فرد فرید :

ہر زمانے اور ہر دور میں علاقائی،مذہبی،مسلکی اور ذات پات کی عصبیت پائی جاتی ہے۔ان علائق سے بھی باباصاحب کی روح مصفی ومجلی تھی۔کبھی بھی انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں کی،نہ یہ دیکھا کہ فلاں شخص میرا نہیں کسی اور کا مرید ہے تو اس پر کیوں توجہ کروں،انہوں نے انسانوں کو اپنے خالق کی مخلوق جان کر سب کے ساتھ یکساں رویہ اختیار کیا۔ ''ایسا شخص جو آپ کی خدمت میں کبھی نہ آیا تھا،وہ آتا،یا وہ شخص آتا کہ جس سے آپ کئی سال سے آشنا ہوتے تو دونوں ہم نشینی میں برابر ہوتے اور دونوں کی طرف آپ برابر توجہ فرماتے۔دونوں سے ملاقات میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا''۔۔۔(۲۷) اگر سرہنگ نے آپ تک رسائی کی سبیل نہ نکل پانے کی شکایت کی تو اس کے لیے بھی دہلی کو خیرآباد کہہ دیا۔

کسی شخص کے نیک وبد ہونے کا پیمانہ اسلام نے یہ طے کیا ہے کہ اس کے ساتھ سفر وحضر میں رہا جائے تب اس کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے۔باباصاحب کے ساتھ رہنے والے ان کے داماد اور خلیفہ حضرت مولانا بدرالدین اسحاق کے حوالے سے سلطان المشائخ فرماتے ہیں:

> ''وہ فرماتے تھے کہ میں خادم تھا اور آپ مخدوم،جو کام ہوتا مجھ سے فرماتے،خلوت وجلوت میں آپ کی یکساں بات ہوتی،خلوت میں کوئی ایسی بات نہ کہتے اور کسی ایسے کام کا حکم نہ دیتے کہ آپ جلوت میں بعینہ وہ نہ کہہ سکیں،یعنی آپ ظاہر و باطن میں ایک روش رکھتے تھے اور یہ زمانے کے عجائبات میں سے ہے''۔۔۔(۲۸)

سلطان جی کا آخری جملہ قابل توجہ ہے۔اور یہ زمانے کے عجائبات میں سے ہے،یعنی اس زمانے میں بھی جلوت وخلوت میں یکساں ہونا عام نہیں تھا،اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اِس زمانے کی طرح اُس زمانے میں بھی لوگ جلوت وخلوت میں مختلف ہوتے تھے۔

فرید جوڑتا ہے کاٹتا نہیں :

باباصاحب کی پوری زندگی اور ان کے ملفوظات شاہد ہیں کہ آپ نے کبھی بھی اختلاف وانتشار اور فساد فی الارض کو پسند

نہیں فرمایا،کسی نے بدتمیزی کی تو اسے معاف کر دیا اور اپنے اعمال صالحہ سے اسے معتقد بنایا،انہوں نے ہمیشہ جوڑنے کی بات کی،علمی اختلاف سے اوپر اٹھ کر کسی نے آپ کی شان میں گستاخی کی تو اس سے بھی ناراض نہیں ہوئے،نہ ہی قطع تعلق کو روا جانا، سیر الاولیا،فوائد الفواد اور دیگر کتابیں آپ کے اخلاق حسنہ سے بھری پڑی ہیں،ولا تفرقوا کے خدائی حکم پر ہمیشہ عمل کرتے ہوئے اپنے مریدین ومعتقدین کو بھی اس کا عادی بنایا اور اپنے اس رویے سے آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی ایک مثبت، پائیدار اور مستحکم پیغام دیا کہ کسی بھی صورت میں اختلاف وانتشار اور فساد فی الارض کو ہوا نہ دینا۔ باباصاحب کا یہ عمل آج کی خانقاہوں کے لیے حرز جاں ہے،جسے ترک کر کے ہم دنیا میں خوار ہوئے ہیں۔

''آپ نے بتایا کہ ایک شخص نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں ایک چھری نذر کی۔حضرت شیخ الاسلام نے وہ چھری واپس کر دی اور فرمایا: میرے پاس چھری نہ لاؤ،سوئی لاؤ۔چھری کاٹنے والا آلہ ہے۔سوئی جوڑتی اور پیوندکاری کرتی ہے''۔۔۔(۲۹)

باباصاحب کا یہ واقعہ آج کی دنیا کے لیے ایک منشور حیات ہے،جہاں صرف آلۂ حرب خریدے جاتے ہیں اور معصوم عوام بھوک سے بلکتے اور سسکتے ہیں،ان خانقاہوں کے لیے بھی اس کی حیثیت کچھ کم نہیں،جو آپسی اختلافات کو ہوا دیتے ہوئے ایک دوسرے کو کافر ومشرک قرار دیتی ہیں،باباصاحب نے صرف اس واقعے سے ہی اتحاد کا پیغام عام نہیں کیا ہے،وہ بار بار اپنے مسترشدین ومعتقدین اور متوسلین کو اختلاف سے دور رہنے اور کسی کا دل دکھانے سے باز رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔

''جب میں تائب ہو کر شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے وابستہ ہو گیا تھا تو آپ نے کئی بار ارشاد فرمایا کہ مخالفوں اور دشمنوں کو راضی کرنا چاہئے۔آپ حق داروں کو ان کا حق دے کر انہیں راضی کرنے پر بہت زور دیتے تھے''۔۔۔(۳۰) ماضی کی بہ نسبت آج اس پیغام کو اور اس اقتباس کو زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے۔یہ اقتباس تحریری شکل میں زیادہ بہتر انداز میں عام نہیں ہو سکتا،جتنا عملی طور پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔اس کے لیے کوئی اور قدم نہیں اٹھائے گا،انہیں اقدام کرنے پڑیں گے،جو کسی طور بھی باباصاحب سے انسلاک کا دعوی کرتے ہیں۔

شریعت،طریقت اور حقیقت کی تشریح :

حضرت بابا فرید گنج شکر کے ملفوظات کے مطالعے سے احساس ہوتا ہے کہ وہ بڑے بڑے شرعی اور متصوفانہ مسائل کو بہت آسانی اور سائل کے علمی مبلغ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حل فرما دیا کرتے تھے،علم کے پندار کے قیدی کے سامنے سکوت اختیار کرتے،علم کی نمائش کرنے والے کی اصلاح مدبرانہ انداز میں کرتے مگر دل دکھانے سے پرہیز کرتے اور اگر ان کے متعلقین میں سے کوئی کسی عالم ظاہر کو علمی معاملے میں خاموش کر دیتا تو معذرت خواہی کا حکم صادر کرتے،آپ کے ملفوظات میں آپ کے علمی وفور اور علوم وفنون پر آپ کے عبور کی بھی کافی باتیں آئی ہیں۔شریعت،طریقت اور حقیقت کے مابین کیا فرق ہے، بہت آسانی کے ساتھ آپ نے اس گتھی کو حل کیا ہے۔

''شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ زکوۃ تین نوع کی ہوتی ہے۔زکوۃ شریعت،زکوۃ طریقت اورزکوۃ حقیقت۔زکوۃ شریعت وہ ہے،جو دوسو درہموں میں پانچ درہم دی جاتی ہے،زکوۃ طریقت یہ ہے کہ دوسو درہموں میں پانچ درہم رکھ لیے جائیں اور باقی دے دیے جائیں اورزکوۃ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ دے دیا جائے کچھ نہ رکھا جائے''۔۔۔(۳۱)

باباصاحب کی علمی موشگافیوں کے شہ پارے فوائد الفواد میں بکھرے پڑے ہیں،جن سے باباصاحب کی عمیق علمی نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔زکوۃ کی تشریح میں زکوۃ طریقت اورزکوۃ حقیقت کو وسیع نظر سے دیکھنا چاہئے تاکہ ہر چیز میں شرعی احکام اور عزیمت کا فرق واضح ہوجائے۔زکوۃ طریقت تو عزیمت ہے اورزکوۃ حقیقت عزیمت کی بھی انتہا ہے،جہاں خود باباصاحب فائز تھے۔اسلامی تاریخ میں شعب ابی طالب،ہجرت کی رات بستر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مولائے کائنات کی استراحت،صلح حضرت امام حسن،شہادت کربلا،مدینہ منورہ چھوڑ کر اجمیر تشریف آوری اور دہلی چھوڑ کر اجودھن میں چلۂ معکوس یہ ساری مثالیں عزیمت کی انتہا ہیں۔

بابا فرید کی شاعری میں متصوفانہ نظریات :

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پایے کے عالم وصوفی،مصلح ومربی اورنظریہ ساز چشتی داعی ومبلغ اسلام ہیں۔ وہیں وہ ایک بڑے اور پنجابی کے پہلے شاعر بھی ہیں۔''ان کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ پنجابی شاعری کے بانی ہیں یعنی پنجابی زبان میں شاعری کا آغاز ان کے ان چھوٹے چھوٹے بولوں سے ہوتا ہے،جنہیں اشلوک کہا جاتا ہے''۔۔۔(۳۲)

حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح ان کی زندگی کے مکمل حالات وکوائف اورتبلیغی سرگرمیاں ان کے ترک دنیا کی نذر ہوگئیں۔ اسی طرح اردو والوں نے ان کی فارسی و پنجابی شاعری کو بھی لائق اعتنا نہیں سمجھا۔بھلا ہو گرونانک جی اور شیخ فرید ثانی کا،جنہوں نے ان کے پنجابی کلام کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے اقدام کیے اور گروگرنتھ میں کلام کو شامل کردیا،اس طرح یہ کلام دست برد حافظ محمود شیرانی نہ ہوسکا،اچھا ہی ہوا کہ حافظ صاحب نے پنجاب میں اردو لکھی اگر وہ پنجاب میں پنجابی لکھتے تو اردو صوفی ادبی شہ پاروں کی طرح یہ کلام بھی من گھڑت،غیر معتبر اور ناقابل استناد قرار پاتا۔چوں کہ باباصاحب کے پرپوتے اور جانشیں حضرت شیخ ابراہیم فریدی فرید ثانی نے باباصاحب کے کلام گرونانک دیوجی کے سپرد کردیے،انہوں نے کلام کو گروگرنتھ میں شامل کرلیا اور فریدیوں کے ساتھ سرداروں کے لیے بھی یہ کلام مستند قرار پایا،اس لیے حافظ صاحب کو اعتراف کرنا پڑا۔''شیخ فارسی اور پنجابی کے شاعر ہیں اور کچھ حصہ ان کے کلام کا اب تک محفوظ ہے''۔۔۔(۳۳) سچ ہے کہ گروگرنتھ صاحب میں شمولیت کی وجہ سے کلام فرید امر ہوگیا اور ہم کلام فرید کے داخلی وخارجی حسن وثبات اوراس کے موضوعات سے واقف ہوسکے۔باباصاحب کا کلام اپنے پیغام کے اعتبار سے،معنیاتی نظام کی وجہ سے،ترک دنیا،دنیا کی بے ثباتی،اسلام کی تبلیغ،اخلاقی اقدار،صبر وقناعت،عاجزی وانکساری، نماز کی پابندی کی تاکید،خدا کی وحدانیت کے اعلان کی تکرار،عبادت وریاضت پر توجہ مرکوز کرنے اور دنیا میں جینے کا سلیقہ

سکھانے کی وجہ سے لافانی ہے،اس کے لافانی ہونے کے داخلی شواہد بہت ہیں،شاید اسی لیے اس کے خارجی تحفظ کی ذمہ داری خدا نے بابا گرونانک کو دے دی۔

باباصاحب اپنے پورے پنجابی کلام میں کہیں کسی اور کو مخاطب نہیں کرتے ،وہ خود بڑے عابد وزاہد ہیں،مسجد میں قیام فرماتے ہیں،اس کے باوجود وہ خود کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فریدا بے نماز اکتیا،ایہہ بھلی نہ ریت
کدے وی چل نہ آیوں پنجے وقت مسیت

یہی وہ طریقہ ہے،جسے صوفیانہ رویہ یا صوفی طریقہ کہا جاتا ہے،جو دوسروں پر فتویٰ بازی کی اجازت نہیں دیتا۔خود کو مخاطب کرتے ہوئے علی الاعلان کہتا ہے۔سب سکھین میں چنر موری میلی،خود کلامی کی تکنیک سے صوفیوں نے جتنا کام لیا ہے،دنیا میں شاید ہی اس کی دوسری کوئی مثال ملے۔خود کلامی کے ذریعہ باباصاحب دنیا کے انسانوں کو بیدار کرتے ہیں،پیغام دیتے ہیں۔انہیں خدا کی طرف مراجعت کی ترغیب دیتے ہیں۔خود کلامی کا یہ طریقۂ کار ہندوستانی شاعری کو باباصاحب نے عطا کیا ہے اور خود کلامی کے لیے کن موضوعات کو اختیار کرنا چاہیے،جو اثر انداز ہوں،انہوں نے اپنے کلام سے اس کا سلیقہ بھی سکھایا۔تصوف نے احتساب ذات کو جتنی اہمیت اور اولیت دی ہے،ان اشعار سے اس کا بھی احساس ہوتا ہے۔ان خود کلامیوں کی زیریں لہریں احتساب ذات کی دعوت دیتی ہیں،جو بالخصوص چشتیوں کے لیے بنیادی متصوفانہ کلید ہے۔

فریدا من میدان کر ٹوئے ٹبے لاہ ❁ اگے مول نہ آوسی دوزخ سندی بھاہ
اٹھ فریدا،وضو ساج،صبح نماز گزار ❁ جو سر سائیں نہ نویں،سو سر کب اتار
اٹھ فریدا ستیا،جھاڑو دے مسیت ❁ توں ستا،رب جاگدا،تری ڈاہڈے نال پریت
فریدا برے دا کر بھلا،غصہ من نہ ہنڈھاء ❁ دیہی روگ نہ لگ ای،پلے سبھ کجھ پاء
فریدا جے توں عقل لطیف کالے لکھ نہ لیکھ ❁ اپنے گریواں میں سر نیواں کے دیکھ
فریدا! کوٹھے منڈپ ماڑیاں،ایت نہ لائیے چت ❁ مٹی پئی اتولویں کوئی نہ ہوسی مت
فریدا! خاک نہ نندیئے،خاکو جیڈ نہ کوء ❁ جیوندیاں پیراں تلے مویاں اپر ہوء

باباصاحب نے اپنی شاعری میں بھی سب سے زیادہ اتباع شریعت،اخلاقی اقدار کی بحالی اور دنیا کی بے ثباتی پر توجہ مرکوز کی ہے۔معاصر خام صوفیا کو پیش نظر رکھ کر ایک ڈنڈے سے سب کو ہانکنے والے مفتیان شرع متین کو یہ معلوم ہی نہیں کہ باباصاحب سب سے زیادہ وحدانیت اور اتباع شریعت پر زور دیتے ہیں۔وہ بغیر تحقیق کے سارے صوفیوں کو اتباع شریعت میں کمزور قرار دے کر بیسویں صدی کے اپنے مقتدا کے فتاویٰ کے مجموعوں میں کھو جاتے ہیں۔باباصاحب کہتے ہیں،جو سر سائیں

نہ نویں، سو سر کب اتار۔ جو سر خدا کے سامنے جھک نہ سکے اسے کاٹ دو، جو امت مسلمہ کو نماز کے قیام پر متحد و متفق نہ کر سکے۔ انہیں کیا معلوم کہ بابا صاحب تارک الصلوۃ کو کن الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ فریدا! بے نماز اکتیا، ایہہ بھلی نہ ریت، فتووں کے مجموعوں سے سر اٹھا سکیں تو عوام کو بتائیں کہ بابا صاحب تارک الصلوۃ کو کتے کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ اتباع شریعت کسے کہتے ہیں، صحیح معنوں میں ہمیں صوفیائے چشت کے ملفوظات سے اس کا علم ہوتا ہے۔ بیسویں صدی کو سب پر تھوپنے کے زعم خودی سے فرصت ہو تو بابا فرید کی سوانح، ملفوظات اور ان کی شاعری کو پڑھنے کا موقع ملے۔ بابا فرید کی پوری شاعری دراصل تصوف کا منظوم منشور ہے، جو کچھ انہوں نے اپنے مریدین وخلفا کو نصیحت کی اور جن کاموں پر مامور کیا۔ ان کاموں کو پہلے خود کیا اور وہی اپنی شاعری میں بھی بیان کیا:

آسرا دھنی منجھاہ، کوء نہ لاہو کڈھ توں
دے ایوں کاج ہتھاہ، دریانے سچا دھنی

ترجمہ: مجھے آسرا ہے تو اپنے رب کا آسرا ہے۔ اس کے سوا کوئی میری کشتی کو کنارے نہیں پہنچا سکتا۔ اے فرید! تو یوں ہی ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ سچے رب کے سہارے کو پکڑ اور سب سہاروں سے بے نیاز ہو جا۔

یہ نظریہ انہوں نے صرف اپنے اشلوک میں پیش نہیں کیا ہے۔ سیر الاولیا کی ایک روایت ہے کہ ''بابا صاحب کو ایک بیماری لاحق ہوئی۔ ایک روز آپ نے چند قدم چلنا چاہا، عصا ہاتھ میں لے کر اس کے سہارے روانہ ہوئے۔ کچھ دور چل کر عصا ہاتھ سے پھینک دیا''۔۔۔ (۳۴) بابا فرید کے اعمال، اقوال اور شاعری میں جو یکسانیت ہے، وہ شاید ہی کسی دوسرے شاعر میں پائی جاتی ہو۔ عمومی طور پر شعرا و ادبا اگر تصوف اور خانقاہ سے بھی وابستہ ہیں تو ان کی شاعری ونثر کا رنگ مختلف اور تصوف پر کتابوں اور مضامین ومقالات کا رنگ بالکل مختلف ہوتا ہے۔ بابا صاحب کے اعمال واقوال اور شاعری بھی ہمارے لیے لائق عمل ہیں، جہاں اختلاف نہیں اتحاد عمل پایا جاتا ہے۔

حضرت شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی چشتی کو ہندوستانی صوفیا میں بڑا اہم مقام ومرتبہ حاصل ہے۔ آپ کے خلفا اور مریدین سے بھی عوام کو کافی فائدہ پہنچا ہے اور ہندوستان میں دین اسلام کی جڑیں مضبوط ومستحکم ہوئی ہیں۔ بابا صاحب نے مصطلحات تصوف اور نظری تصوف کو عملی روپ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ جن کاموں کو آج بہت مشکل بلکہ ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ وہ سارے کام انسانوں کے ہی کرنے کے ہیں۔ انہوں نے عوام کو دین کی دعوت دی، خواص کو دین پر دین کے تقاضے کے مطابق چلنے پر ابھارا، طالبان عرفان کو معرفت کی راہ کا سالک بنایا، شاگردوں کو کتابیں پڑھائیں، شریعت کی غیر مشروط پابندی کے ساتھ مسترشدین کی اصلاح وتربیت کی، قومی یکجہتی کے نظریے کو استحکام بخشا، تعصب وتفریق کو راہ تصوف کے منافی قرار دیا، ترک دنیا کی روش عام کرنے کی کوشش کی، دنیا کی بے ثباتی اپنے اعمال واقوال سے ثابت کر دیا، اخلاقی قدروں کو عروج

بخشا، اپنے خلفا کی ایسی تربیت کی کہ وہ کبھی کسی بادشاہ وقت کے سامنے سرنگوں نہ ہوئے، غیر منقسم ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں نظامی وصابری دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام کر رہے ہیں ۔حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

مصادر وحواشی :

(۱) سیر الاولیا اردو ناشر خواجہ اسلام الدین نظامی کے ص ۱۷۲۔ ۱۷۳ پر درج ہے ۔’’واضح رہے کہ سن ولادت حضرت شیخ الشیوخ فریدالحق والدین مسعود گنج شکر ۵۶۹ھ (۷۴۔ ۱۱۷۳ء) اورآپ کی وفات کا سن ۶۶۴ھ (۶۶۔ ۱۲۶۵ء) تھا۔آپ کی عمر ۹۵ ؍سال ہوئی ۔ ۵۸۴ھ ۔ (۸۹۔ ۱۱۸۸ء) میں آپ حضرت خواجہ قطب الدین قدس اللہ سرہما العزیز سے بیعت ہوئے ۔

مولانا سید عبدالحی حسنی اپنی تصنیف نزہۃ الخواطر میں حضرت شیخ کبیر کی سن ولادت کے حوالے سے رقم طراز ہیں :وولد الشیخ فریدالدین مسعود بہا فی سنۃ تسع وستین وخمس مئۃ ــــ (ص :۱۲۷) اورسن وفات کچھ یوں درج کرتے ہیں :مات فی خامس محرم الحرام سنۃ اربع وستین وست مئۃ، ولہ خمس وتسعون سنۃ، کما فی سیر الاولیا ــــ (ص :۱۲۸)

بزم صوفیہ مصنف سید صباح الدین عبدالرحمان کے ص ۱۲۲ پر خزینۃ الاصفیا کے حوالے سے شیخ کبیر کی ولادت باسعادت ۵۸۴ھ درج ہے ۔اسی صفحے کے حاشیے پر درج ہے ’’خزینۃ الاصفیا جلد ا ص ۲۸۸ مگر سیر الاولیا میں ۵۶۹ھ مرقوم ہے ــــ (ص ۹۱)‘‘

حضرت کی تاریخ وفات پر بحث کرتے ہوئے بزم صوفیہ کے مصنف سید صباح الدین عبدالرحمان ص ۱۴۰ پر رقم طراز ہیں ۔’’فوائد الفواد (ص :۵۳) میں ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر کی وفات ترانوے سال کی عمر میں ہوئی، اگر سال ولادت ۵۸۴ھ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو سال وفات ۶۸۷ھ قرار پاتا ہے، مگر اس میں تذکرہ نویسوں کا سخت اختلاف ہے، سیر الاولیا، اخبار الاخیار اور سفینۃ الاولیا میں ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ، تاریخ فرشتہ میں ۶۶۰ھ، سیر الاقطاب میں ۶۹۰ھ، خزینۃ الاصفیا میں بحوالہ مخبر الواصلین وتذکرۃ العاشقین میں ۶۷۰ھ درج ہے۔‘‘

تاریخ دعوت وعزیمت جلد سوم کے مصنف مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی نے شیخ کبیر کی ولادت ۵۶۹ھ درج کی ہے ــــ (ص :۳۷) تاریخ وفات ۵ محرم سہ شنبہ ۶۶۴ھ درج کی ہے اور حاشیے میں لکھا ہے ’’صاحب سیر الاولیا نے متعدد مقامات پر ۶۶۹ھ کے ایسے واقعات نقل کیے ہیں، جو حضرت خواجہ کی زندگی سے متعلق ہیں، بعض مقامات پر حضرت خواجہ نظام الدین کی تحریر کا حوالہ ہے کہ حضرت خواجہ نے مجھ سے یہ فرمایا، فلاں ہدایت کی، اگر ان سنین کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو سن وفات ۶۶۴ھ جو عام طور پر مشہور اور زیادہ تر کتابوں میں مذکور رہے، مشکوک ہو جاتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ حضرت خواجہ کی وفات اس کے بعد ہوئی، بعض دوسری کتابوں میں بعد کے سنین درج ہیں، ان میں قرین قیاس ۶۷۰ھ ہے، جو خزینۃ الاصفیا میں بحوالہ مخبر الواصلین وتذکرۃ العاشقین درج ہے ــــ (تاریخ دعوت وعزیمت، جلد سوم، ص :۴۵)

فضائل اعمال کے مصنف شیخ الحدیث مولانا زکریا اپنی تصنیف تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں ۔’’حضرت شیخ کی ولادت ۵۸۴ھ یا ۵۸۵ھ یا ۵۶۹ھ میں کھوتوال مضافات ملتان میں ہوئی ــــ (ص ۱۳۳) اسی کتاب میں تاریخ وفات کے حوالے سے درج ہے کہ ’’حضرت شیخ کی وفات پانچ محرم ۶۶۴ھ یا ۶۶۸ھ سہ شنبہ کو ہوئی اور بقول صاحب تاریخ فرشتہ ۶۶۰ھ میں ہوئی ــــ (ص :۱۳۵)

کلام بابا فرید گنج شکر کے مرتب ومترجم پروفیسر محمد یونس حسرت، لاہور لکھتے ہیں ۔’’وہ ۱۱۸۸ء میں (اور بعض روایات کے مطابق ۱۱۷۳ء یا ۱۱۷۵ء میں) ملتان کے ایک مضافاتی موضع کوٹھیوال (جسے چاوَلی مشائخ بھی کہا جاتا ہے) میں جمال الدین سلیمان کے گھر پیدا ہوئے ۔

(ص ۱۷) حضرت شیخ کی وفات کے حوالے سے پروفیسر یونس لکھتے ہیں: ''اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے انہوں نے اپنی باقی ساری زندگی پاک پٹن ہی میں گزاری اور ۱۲۸۰ء میں (ایک روایت کے مطابق ۵ محرم ۶۶۴ھ بمطابق ۷ اکتوبر ۱۲۶۵ء کو) اللہ کو پیارے ہو گئے۔

(۲) تاریخ دعوت وعزیمت جلد سوم، مصنف مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: ۳۶۔

(۳) انوار الفرید، ص: ۳۲۵، سیر الاقطاب مترجم، ص: ۱۸۹، سیرت پاک حضرت فرید الدین مسعود، ارتضی شاہ، عظیم اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، ص: ۱۲۸۔

(۴) سیرت پاک حضرت فرید الدین مسعود، ارتضی شاہ، عظیم اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، ص: ۱۲۶۔ تذکرہ خاصان خدا، خواجگان چشت کا ذکر جمیل، مصطفائی بیگم ص: ۱۸۳۔

(۵) سیر الاولیا، مصنف خواجہ امیر خورد کرمانی نظامی، مترجم خواجہ اسلام الدین نظامی، سیما آفسیٹ پریس، دہلی، ۱۹۸۵ء ص: ۱۴۲۔ مرآۃ الاسرار مصنف شیخ عبدالرحمان چشتی صابری، ص: ۱۹۰۔

(۶) یہاں قطب الموحدین سے مراد حضرت بابا فرید گنج شکر ہیں۔

(۷) تذکرہ خاصان خدا، خواجگان چشت کا ذکر جمیل، مصطفائی بیگم، ص: ۱۸۸۔

(۸) کلام بابا فرید گنج شکر مرتب ومترجم پروفیسر محمد یونس حسرت، ایم ایم پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۹ء، ص: ۸۶۔

(۹) اصطلاح تصوف میں حضوریٔ قلب کا مطلب قلب کا خلق سے بے تعلق ہو کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

(۱۰) تذکرہ خاصان خدا، خواجگان چشت کا ذکر جمیل، مصطفائی بیگم، ص: ۱۸۸۔

(۱۱) سیر الاولیا، مصنف خواجہ امیر خورد کرمانی نظامی، مترجم خواجہ اسلام الدین نظامی، سیما آفسیٹ پریس، دہلی، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۵۲۔ تاریخ مشائخ چشت، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۳ء ص ۱۸۷، نزہۃ الخواطر، مصنف سید عبدالحی الحسنی، دار ابن حزم، بیروت، ۱۹۹۹ء ص: ۱۲۸۔

(۱۲) صاحب نزہۃ الخواطر شیخ بدرالدین غزنوی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں: الشيخ الصالح الفقيه بدر الدين الغزنوي ثم الدهلوي، احد كبار المشايخ الچشتيه. قدم لاهور في صغر سنه، واشتغل بالعلم وقرأ على اساتذة عصره، ثم دخل دهلي، وسمع نبأ فتنة التتر في بلاده، وبلغه أن اباه وأمه قتلا في تلك الفتنة، فألقى عصاه بدهلي وسكن بها۔

أخذ الطريقة عن الشيخ قطب الدين بختيار الاوشي، ولازمه فما فارقه مدة حياته، وتولى الشياخة بعده بمدينة دهلي. أخذ عنه الشيخ امام الدين المتوفى سنة ثمانين وسبع مئة. وكانت وفاته في حالة التواجد على سنة شيخه، بدار الملك دهلي، في سنة سبع وخمسين وست مئة، كما في خزينة الاصفيا۔ (ص: ۸۷)

(۱۳) ملک نظام الدین خریطہ دار بیت خان کا لڑکا تھا، التمش کے عہد میں محکمۂ مالیات میں اعلیٰ عہدے دار تھا اور شیخ بدرالدین غزنوی کے عقیدت مندوں میں تھا، خریطہ دار کے حوالے سے تلاش بسیار کے باوجود اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوسکیں یا میری نظر وہاں تک پہنچنے سے قاصر رہی، جہاں خریطہ دار کا ذکر ہے۔

(۱۴) فوائد الفواد، مصنف امیر علا سجزی، ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، ۱۹۶۶ء ص: ۱۳۵۔

(۱۵) سیر الاولیا ۱۴۷، اخبار الاخیار، مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مترجمین مولانا سبحان محمود، مولانا محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی ۱۹۹۴ء ص: ۱۲۳، نزہۃ الخواطر ص: ۱۲۸، تاریخ دعوت وعزیمت، جلد سوم ص: ۴۱ پر مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس عبارت کا اردو ترجمہ لکھا ہے اور حاشیہ پر اخبار الاخیار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصل رقعہ فصیح عربی میں ہے۔ اس مکتوب کی عربی عبارت میں کہیں کسی مصنف نے لفظ قضیہ استعمال کیا ہے اور کسی نے قصہ، نزہۃ الخواطر کے مصنف سید عبدالحی حسنی نے لفظ قصہ استعمال کیا ہے۔

(۱۶) کلام بابا فرید گنج شکر مرتب ومترجم پروفیسر محمد یونس حسرت، ایم ایم پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۹ء، ص: ۴۷۔
(۱۷) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیر الاولیا، مصنف خواجہ امیر خورد کرمانی نظامی، مترجم خواجہ اسلام الدین نظامی، سیما آفسیٹ پریس، دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۵۸۔ تاریخ دعوت وعزیمت جلد سوم، مصنف مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: ۴۰۔۴۱۔
(۱۸) پیر میں رسی باندھ کر کنویں میں رات بھر عبادت کرنے کو چلہ معکوس کہا جاتا ہے۔
(۱۹) طے کا روزہ اسے کہتے ہیں، جس میں صرف پانی سے افطار کیا جاتا ہے، طے کا روزہ کم از کم تین دن کا ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک سال کا، متقدمین صوفیا کے یہاں اس کا رواج تھا۔
(۲۰) سیر الاولیا، مصنف خواجہ امیر خورد کرمانی نظامی، مترجم خواجہ اسلام الدین نظامی، سیما آفسیٹ پریس، دہلی، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۴۰۔
(۲۱) ایضاً، ص: ۱۵۸، تاریخ مشائخ چشت، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۳ء، ص: ۱۶۰۔
(۲۲) سیر الاولیا، مصنف خواجہ امیر خورد کرمانی نظامی، مترجم خواجہ اسلام الدین نظامی، سیما آفسیٹ پریس، دہلی، ۱۹۸۵ء، ص: ۴۸۔
(۲۳) ایضاً، ص: ۱۳۷۔۱۳۸۔
(۲۴) اس دور کا سکہ تھا، تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں سیر الاولیا، ص: ۱۴۰۔
(۲۵) فوائد الفواد، مصنف امیر علا سجزی، مترجم پروفیسر محمد سرور، علما اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص: ۳۹۹۔
(۲۶) ایضاً، ص: ۳۵۸۔
(۲۷) سیر الاولیا، مصنف خواجہ امیر خورد کرمانی نظامی، مترجم خواجہ اسلام الدین نظامی، سیما آفسیٹ پریس، دہلی، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۳۸۔
(۲۸) ایضاً، ص: ۱۳۸۔
(۲۹) فوائد الفواد، مصنف امیر علا سجزی، مترجم پروفیسر محمد سرور، علما اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص: ۴۲۳۔
(۳۰) ایضاً، ص: ۲۸۶۔
(۳۱) ایضاً، ص: ۲۲۶۔
(۳۲) کلام بابا فرید گنج شکر مرتب ومترجم پروفیسر محمد یونس حسرت، ایم ایم پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۷۔
(۳۳) پنجاب میں اردو، مصنف حافظ محمود شیرانی، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۳۵۔
(۳۴) سیر الاولیا، مصنف خواجہ امیر خورد کرمانی نظامی، مترجم خواجہ اسلام الدین نظامی، سیما آفسیٹ پریس، دہلی، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۶۰۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

حضرت شاہ غوث علی استھانوی ثم پانی پتیؒ

● مولانا طلحہ نعمت ندوی ـــــ استھانواں، نالندہ

پانی پت کے مشہور بزرگ حضرت شاہ غوث علی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہندوستان کے معروف بزرگوں میں ہے، بالخصوص دہلی و پنجاب اور اس کے گرد ونواح میں وہ مشہور عام وخاص ہیں۔ان کی سوانح ''تذکرہ غوثیہ'' (جسے بعض اہل علم نے تصوف کی الف لیلیٰ کہا ہے) ہندوستان میں اس قدر مقبول ہوئی کہ آج بھی جب کہ صاحب سوانح کی وفات پر تقریباً ڈیڑھ صدی گذرنے کو ہے اس کی شہرت ومقبولیت میں کمی نہیں آئی ہے، اور حسب سابق ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتی اور شوق سے پڑھی جاتی ہے۔

لیکن اہل بہار کے درمیان ان کا تعارف بہت ہی کم ہوسکا ہے اور وہ اس بات سے تقریباً ناواقف ہیں کہ ان کا آبائی وطن خود اسی صوبہ کی مردم خیز بستی استھانواں ہے اور یہی ان کا مولد بھی ہے۔اسی عدم واقفیت کا نتیجہ ہے کہ اس صوبہ کے صوفیاء اور تصوف کی تاریخ وتذکرہ میں ان کا اور ان کے عظیم المرتبت بزرگوں کا نام کہیں نظر نہیں آتا۔

حالات کے مآخذ :

حضرت شاہ غوث علی علیہ الرحمۃ کے حالات پر تین کتابیں ہمارے علم میں ہیں اور تینوں ان کے براہ راست مشاہدہ کرنے والے اور ان کے معتقدین ومتوسلین کی تحریر کردہ ہیں۔پہلی مشہور زمانہ کتاب تذکرہ غوثیہ ہے، جو ان کے ملفوظات ہی پر مبنی ہے، مرتب نے اس سلیقہ سے ان ملفوظات کو مرتب کیا ہے کہ خود ان کی خود نوشت سوانح معلوم ہوتی ہے۔اس کے مصنف حضرت صاحب سوانح کے خلیفہ خاص حضرت شاہ گل حسن سرحدی ثم پانی پتی ہیں۔اس کتاب کے علاوہ انہوں نے حضرت شاہ صاحب کی تعلیمات کو بھی ''تعلیمات غوثیہ'' کے نام سے الگ ایک ضخیم جلد میں مرتب کیا ہے، تذکرہ غوثیہ کا سنہ تصنیف واشاعت ۱۳۰۱ھ ہے، مصنف نے لکھا ہے کہ اس سے قبل ان کے پاس کوئی یاداشت پیش نظر نہیں تھی، حضرت کی طرف سے ان کے ملفوظات کو قلمبند کرنے کی اجازت نہیں تھی، مصنف کے بقول ''صرف اتنی اجازت حاصل ہوئی کہ اشعار ومقالات، اشلوک، دوہے وچوپاسی

وغیرہ جو ارشاد مبارک میں حسب موقع وارد ہوئے تھے یہ کمترین (مصنف تذکرہ) یادداشت کے لئے فوراً تحریر کرلیتا، بجز اس کے کوئی حرف وحکایت یا نقل وروایت سوائے سماعت کے سپرد قلم نہیں کی گئی''۔۔۔(۱) لیکن جب لکھنا شروع کیا تو سب یاد آتا گیا اور لکھتے گئے، پھر بھی بہت سے واقعات یاد نہیں آسکے اور بہت سی باتیں مصلحتاً ترک کی گئیں۔

دوسری کتاب گرچہ گمنام ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ضخیم ہے، تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب جو ''ریاض الفقر معروف بہ دفتر حقیقت'' کے نام سے موسوم ہے ان کے ایک متوسل جناب حافظ امداد حسین صاحب میرٹھی کی لکھی ہوئی ہے۔ سرورق کی عبارت ہے'' کتاب فیض انتساب در حالات شیخ وقت عارف کامل موحد واصل مولوی حاجی سید محمد غوث علی شاہ صاحب قادری نقشبندی چشتی سہروردی بغدادی پانی پتیؒ موسوم بہ ریاض الفقر معروف بہ دفتر حقیقت از تالیف حافظ امداد حسین ظہور و عرفانی ساکن میرٹھ، حسب ارشاد جناب منشی فضل رسول صاحب رئیس میرٹھ، مرید خاص مولانا صاحب دام فیض در مطبع فیض مرقع شکوفۂ فیض منشی وزیر علی بہا آرائے طبع شد''۔

ریاض الفقر میں آپ بیتی کی شکل نہیں ہے، نیز اس میں بہت سے ضمنی واقعات بھی ہیں، خاندان اور بزرگوں کے حالات اس میں زیادہ مفصل ہیں۔ ہر واقعہ کو تذکرہ غوثیہ کے برعکس نقل کا عنوان دے کر ذکر کیا گیا ہے، مزید بزرگوں کے حالات میں کہیں کہیں تفصیل بھی ہے جو تذکرہ غوثیہ میں نہیں ملتی، مثلاً اساتذہ کا ذکر تذکرہ غوثیہ میں اجمالی ہے اور ان کے حالات وکمالات ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی لیکن ریاض الفقر میں ان کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ کتاب تذکرہ غوثیہ کے دو سال بعد ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوئی، اس کے مصنف نے لکھا ہے:

''ایک روز ۱۳۰۲ھ میں حسب عادت معہودہ منشی صاحب (منشی فضل رسول صاحب میرٹھی متوسل حضرت شاہ صاحب) کی خدمت میں جب حاضر ہوا تو انہوں نے مفتی برکت علی صاحب ساکن بٹالہ خادم حضور کا خط مجھے دکھلایا لکھا تھا کہ میرا ارادہ ایک مختصر کتاب لکھنے کا ہے آپ اجازت دیجئے، خط دکھلا کر فرمانے لگے کہو تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا:

بندہ چہ دعویٰ کند حکم خداوند راست

آپ سے زیادہ کوئی حضور اقدس کا محرم نہیں، راز دار نہیں، حضور کے حالات سے جیسے آپ کو واقفیت اور آگاہی ہے اور کسی کو نہیں، حضور کے رموز واشارات جیسے آپ سمجھتے ہیں دوسرے کی مجال نہیں، جو صحبت خلوت وجلوت آپ کو نصیب ہوئی کس کی قسمت میں تھی، جس زمانہ میں آپ نے شرف بیعت طریقت حاصل کیا، اور کون اس دولت سے بہرہ یاب ہوا تھا، اس میں جو آپ کی رائے ہووے بہتر ہے، فرمایا اگر تم توکل بخدا کمر ہمت باندھو اور ایک کتاب لکھو تو ہم حتی الامکان ہر طرح کی امداد واعانت کریں، اور جو کچھ معلوم ہے اس کی تشریح شرح وبسط کے ساتھ ہووے، میں نے عرض کیا میں کہاں اور کتاب نگاری کہاں؟

من ہیچم وکم ز ہیچ وکم بسیاری ❁ از ہیچ کم از ہیچ نیاید کاری

ہر سر کہ ز اسرار حقیقت گویم ❁ زانم نبود بہرہ بجز گفتاری

کتاب لکھنے کو بڑا حوصلہ چاہئے، ہیچمدان نالیاقت کس مپرس آدمی اور اس پر تعلقات دنیا اور تفکرات عالم کا تعلق طرہ!

ہیہات من از کجا و ایں کار کجا ❁ درخورد من ضعیف ایں بار کجا

اوصاف بزرگاں زشما افزون است ❁ در طاقت تحریر من زار کجا

اور کتاب بھی ایسے شیر مرد کے حالات میں؟ یہ ایک اہم کام ہے، فرمایا، چلو عبارت آرائی اور انکسار پیرائی تو ہولی، اب نام خدا لے کر ہمت کرو، ناچار ''المامور معذور'' فضل ایزدی پر بھروسا کر کے اور حضور والا کے تصرف ظاہری و باطنی کو سرمایۂ اطمینان سمجھ کر اور منشی صاحب کے الطاف کو رہبر بنا کر لکھنا شروع کیا، شروع زمانۂ تحریر میں طرح طرح کے معاملات عالم رویا میں دیکھے، اور انواع انواع کے اشارات وکنایات ہوئے، ایک روز جب چند اوراق لکھے گئے، اشارت ہوئی، تعلیم کا باب فقط اپنی رائے کے موافق مت لکھو، رات کو خلوت میں منشی فضل رسول صاحب سے مشورہ کرو، اور ان کے مشورہ کے مطابق لکھو، اور یہ شعر اشارت میں داخل تھا:

بگفتن در نیاید رمز وحدت

بیانش سر بہ سر باشد حماقت

پھر بمشورت منشی صاحب وہ اوراق درست کئے گئے۔ ایک شب ارشاد ہوا کہ جناب غوث الاعظم کے نام پاک کا جہاں ذکر ہو خلیفۃ اللہ کے ساتھ ہونا مناسب ہے اس کی مطابقت ومتابعت بھی کی گئی۔ ایک شب ارشاد ہوا کہ ہمارے بزرگوں کا حال مشروح لکھو، جو بزرگوں کے نام حسن عقیدت سے زندہ کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس کے دل کو زندہ کرتا ہے۔ ایک شب ارشاد ہوا کہ حضرت غوث پاک کا نام جب تک درج نہ کروگے کتاب بے تاج و بے سر ہے، وہ بھی لکھا گیا''۔۔۔(۲)

یہ دونوں کتابیں حضرت شاہ صاحب کے تفصیلی حالات وسوانح پر مشتمل ہیں، اور تقریباً ایک ہی دور میں دو تین سال کے فرق کے ساتھ وجود میں آئی ہیں۔ تیسری کتاب سیرت غوثیہ ہے، جو ان دونوں کتابوں کے کئی سال بعد وجود میں آئی، جس کے مرتب جناب واقف الرحمن صاحب انسپکٹر دہلی ہیں، یہ ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی اور شاید انہی سالوں میں لکھی بھی گئی، وہ خود اور ان کے والد حضرت شاہ صاحب کے متوسلین میں تھے، اس میں حضرت شاہ صاحب کے جو حالات ہیں ممکن ہے ان کے درج کرنے میں تذکرہ غوثیہ اور ریاض الفقر سے مدد لی گئی ہو لیکن اس کے علاوہ حضرت شاہ کے ملفوظات ومناقب خود مصنف کے چشم دید اور شنیدہ ہیں، اور بہت سی اطلاعات ان دونوں کتابوں پر اضافہ ہیں، یہ کتاب تقریبا ۸۰ صفحات میں ہے، مصنف کے بقول ان کے والد شاہ صاحب کا عرس دہلی میں کرتے تھے، ان کے بعد ان کی خانقاہ کی مسند کو خود مصنف نے زینت بخشی۔ حیرت ہے کہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی نے اپنی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' میں شاہ صاحب کا ذکر نہیں کیا جب کہ وہ ان سے واقف تھے۔ مولانا اسماعیل میرٹھی کے تذکرہ میں گل رعنا میں انہوں نے لکھا ہے کہ پانی پت کے مشہور بزرگ شاہ غوث علی صاحب سے بیعت تھے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''ان کو تصوف کا بھی ذوق تھا، اور حضرت غوث علی شاہ قدس سرہ العزیز پانی پتی کے مریدان خاص میں تھے۔۔۔(۳)

اجداد وسلسلۂ نسب :

حضرت شاہ غوث علی سادات حسنی کی اس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی ؒ کے واسطہ سے ۲۳؍پشتوں کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچی ہے۔شاہ صاحب کا شجرہ نسب یہ ہے:

ابوالحسن خورشید علی عرف سید غوث علی شاہ قلندر قادری بن سید احمد حسن عرف احمد علی، بن سید ظہور الحق عرف ظہور محمد بن محمود عرف محمد علی بن سید حامد حسن عرف حامد علی بن حمید علی بن ابوسعید بن مصلح الدین بن سید مبارک حقانی بن سید مسعود بن ابوالعباس احمد بن صفی الدین بن عبد الوہاب بن سیدنا عبد القادر جیلانی۔۔۔(۴)

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ؒ کے بعد کا سلسلہ مشہور ومعروف ہے اس لئے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے اجداد میں شیخ محمد جیلانی ہندوستان آئے،صاحب ریاض الفقر نے سید محمد غوث نام لکھا ہے،اور دیگر کتب کی مدد سے ان کے مفصل حالات لکھے ہیں۔۔۔(۵)

حضرت شاہ عبد الحق دہلوی نے اخبار الاخیار میں ان کا ذکر کیا ہے،شاہ صاحب کے بقول وہ روم سے خراسان ہوتے ہوئے ملتان آئے،اور شہر اوچھ میں اقامت گزیں ہوئے،آپ کی چار اولادوں میں حضرت شاہ صاحب سید محمد حقانی کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں،جن کی ساتویں پشت میں شاہ صاحب کے دادا حضرت سید ظہور الحسن صاحب بہار تشریف لائے اور مونگیر میں سکونت اختیار فرمائی،جب استھانواں (بہار شریف) میں سادات کے ایک گھرانے میں ان کی شادی ہوئی تو پھر مستقل وہیں قیام فرما کر دعوت وارشاد میں مصروف ہو گئے،جب ان کے چھوٹے بھائی کو ان کے بہار کے قیام کی اطلاع ملی تو وہ بھی اپنے خاندان کے ساتھ ملتان سے آکر اسی بستی میں مقیم ہو گئے،ان کے سوانح نگار کے الفاظ میں اس کی تفصیل خود صاحب سوانح کی زبانی سنئے،فرماتے ہیں:

> ''ہمارے جد بزرگوار سید ظہور الحسن صاحب عرف سید ظہور محمد صاحب نے علوم ظاہری کی تحصیل وتکمیل کے بعد اپنے والد ماجد سید محمد علی عرف سید محمود صاحب سے علم باطن کی تعلیم پائی،جب ان کے والد نے رحلت فرمائی تو سندھ سے عزم ہندوستان کیا اور امصار و دیار کی سیر فرماتے ہوئے مقام مونگیر مضافات صوبہ بہار میں قیام کیا اور موضع استھانواں میں کہ صوبہ مذکور میں سادات عظام کی ایک بستی ہے ایک سید بزرگ کی دختر عالی گہر سے نکاح ہو گیا،اللہ تعالی نے دو فرزند عطا فرمائے،ایک سید احمد علی اور دوسرے سید محمد حسن عرف سید محمد علی،سید ظہور حسن صاحب وہیں رہے،اور ہزار ہا آدمی آپ کے شرف بیعت اور فیضان صحبت سے مشرف ہوئے''۔۔۔(۶)

حضرت سید ظہور الحسن کی تاریخ وفات معلوم نہیں اور مدفن کا بھی پتہ نہیں،غالب گمان ہے کہ اپنے وطن استھانواں ہی میں ان کی وفات ہوئی ہوگی اور وہیں تدفین عمل میں آئی ہوگی لیکن اب ان کی قبر کا کوئی سراغ نہیں ملتا،تذکرہ غوثیہ سے شاہ صاحب کی آٹھ سال کی عمر تک ان کی حیات کا پتہ چلتا ہے۔صاحب ریاض الفقر نے ان کے حالات کی مزید تفصیل دی ہے،لکھتے ہیں:

''سید ظہور الحسن صاحب تادم زیست اس موضع میں رہے، اور اپنے فیض وہدایت سے ہزارہا آدمی کو مشرف فرماتے رہے، آپ اہل معرفت اور صاحب توحید تھے۔ بعد حصول علم ظاہری کے اپنے والد ماجد سید محمد علی عرف سید محمود صاحب سے بیعت کر کے استفادۂ باطن کیا تھا، سید محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے عارف کامل اکمل تھے''۔۔۔(۷)

سید ظہور الحسن صاحب کے چھوٹے بھائی نے بھی اپنے برادر بزرگ کے قیام بہار کی خبر سن کر اپنے اہل خانہ کے ساتھ استھانواں ان کے پاس آ کر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، وہ شاہ صاحب کی اطلاع کے مطابق ''مع قبائل وعشائر'' آئے تھے، یعنی اپنے اہل خاندان کو بھی ساتھ لے کر آئے تھے، کیونکہ آپ لاولد تھے۔۔۔(۸) پھر قبائل وعشائر سے سوائے خاندان کے اور کوئی مراد نہیں لیا جا سکتا۔ لاولد ہونے کی وجہ سے شاہ صاحب کے والد کو متبنی بنا لیا تھا، صاحب حال تھے، اخیر میں ''جٹھلی'' (مضافات پٹنہ میں بزرگوں کی مشہور جگہ) میں مقیم ہو گئے، اور وہیں محنت مزدوری اور خشت سازی سے گذر بسر کرتے رہے اور پھر وہیں وفات بھی پائی، تذکرہ غوثیہ کی اطلاع کے مطابق ان کی قبر پر ایک قبہ بھی بنایا گیا تھا۔۔۔(۹)

والد ماجد :

''تذکرہ غوثیہ'' میں صاحب سوانح کی زبانی ان کے والد کے حسب ذیل حالات مذکور ہیں:

''جب چھوٹے دادا نے رحلت فرمائی (بمقام جٹھلی جن کا ذکر اوپر گذرا، انہوں نے شاہ صاحب کے والد کو متبنی بنایا تھا) تو ہمارے والد ماجد سید احمد علی صاحب اپنی تائی (چچی) صاحبہ کی خدمت میں ریاضت ومحنت سے اوقات بسر کرتے رہے، جب تائی صاحبہ نے بھی وفات پائی تو اپنے والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے''۔۔۔(۱۰)

شاید وہ بھی اپنے چچا اور چچی کے ساتھ جٹھلی میں رہنے لگے ہوں اور چچی کی وفات کے بعد اپنے والد حضرت ظہور الحسن کی خدمت میں استھانواں آئے ہوں گے۔

آگے فرماتے ہیں: ''اگرچہ فیض بطون تایا (بڑے چچا) صاحب سے بھی حاصل تھا مگر بیعت نہ تھی، کیوں کہ اس خاندان میں اول والد ماجد سے بیعت کرتے ہیں، من بعد اجازت دی جاتی ہے کہ اگر زیادہ ہمت وحوصلہ ہو تو اور بزرگوں کی خدمت میں طلب کرو، اس وقت والد ماجد کی عمر شریف سولہ برس کی تھی، اپنے پدر بزرگوار سے بیعت حاصل کی، سترہویں سال آپ کی پہلی شادی ہوئی، پھر دوسرے اور تیسرے نکاح کی نوبت پہنچی، اس کے بعد سواروں میں نوکری کر لی (یعنی گھوڑ سوار فوج میں)، رفتہ رفتہ رسالہ دار بہادر ہو گئے، مدت تک اسی عہدہ پر رہے، آخر کار پینشن لے کر گھر آ بیٹھے، اور گوشۂ عافیت میں یاد الٰہی کرتے رہے، قوت جسمانی بھی آپ کی ایسی تھی کہ بڑا چرس ڈول کی طرح کھینچ لیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بارہ فرزند ارجمند عطا فرمائے تھے، زوجہ اول سے سات، زوجہ دوم سے دو، زوجہ سوم سے تین صاحبزادے تھے۔ (لیکن صاحب ریاض الفقراء نے دوسری اہلیہ سے صرف شاہ صاحب اور تیسری سے چار لکھا ہے)۔۔۔(۱۱) اور آپ کے بھائی سید محمد علی صاحب کے پانچ فرزند تھے''۔۔۔(۱۲) حضرت شاہ صاحب دوسری اہلیہ سے تھے۔

سید احمد علی صاحب کی فوجی ملازمت تبدیل ہوتی رہی اور اس طرح انہیں مختلف مقامات پر رہنے کا موقع ملا، شاہ صاحب نے اپنے ملفوظات (تذکرہ غوثیہ) میں جا بجا ان کا ذکر کیا ہے، جس سے ان کے مختلف شہروں میں اقامت کا علم ہوتا ہے، مثلاً لاہور، دہلی، لکھنؤ، نصیر آباد (کشمیر)، اور اجمیر وغیرہ۔ ان تمام شہروں میں انہیں رہنے کا موقع ملا، بعض موقعوں پر شاہ صاحب ان کے ساتھ رہے، یہ پتہ نہیں چلتا کہ ملازمت کا آغاز کس جگہ سے کیا، آیا وطن کے قریبی علاقہ پٹنہ سے یا دہلی یا لاہور سے۔ ان کے فرزند ارجمند کی زبانی مختلف واقعات سے انگریز اور ہندو فوجیوں اور حکام میں ان کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے اور سب ان کے حسن اخلاق سے متاثر نظر آتے ہیں۔۔۔ (۱۳)

شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ جب وہ دہلی میں تھے تو انہوں نے اپنے فرزند کو بھی دہلی بلا لیا تھا اور وہاں رہ کر شاہ صاحب کو دہلی کے شیخ وقت حضرت شاہ عبد العزیز کی خدمت میں استفادہ کے لئے بھیج دیا، اس طرح شاہ صاحب کو ان سے تلمذ و استفادہ کا موقع ملا، نیز اطراف کے علاقوں میں جو اہل اللہ موجود تھے، شاہ صاحب کے والد انہیں اپنے ساتھ ان کی خدمت میں بھی لے جاتے، شاہ صاحب نے اپنے دادا اور نانا کے ساتھ بھی بچپن میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضری و ملاقات کا ذکر کیا ہے۔۔۔ (۱۴)

شاہ صاحب کی اطلاع کے مطابق ان کے والد "صاحب ریاضت و مجاہدہ اور شب بیدار اور اہل ذوق وشوق تھے، دن کو کارہائے متعلقہ نوکری کرتے تھے اور رات کو ذکر و شغل، طاعت و عبادت میں رہتے تھے"۔۔۔ (۱۵) اپنی روزی پر قانع تھے، اس کی تفصیل ریاض الفقر میں اس طرح ہے:

> "نوکری پر ایسے قانع تھے کہ ایک دفعہ ولی عہد شہنشاہ روس بلباس فقیری اجمیر شریف مزار پر انوار خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ قیام گزیں تھا، آپ کو بوقت ملاقات از راہ باطن یہ معلوم ہوگیا کہ یہ فقیر نہیں امیر ہے، باہم ربط ضبط زیادہ ہوگیا، جب حال ان کے ولی عہد ہونے کا کھل گیا اور ان کا ارادہ اپنے دار السلطنت جانے کا ہوا تب شہزادے نے ہر چند اصرار کیا کہ ہمارے ساتھ چلو ہم آپ کو بڑا عہدہ دیں گے حتی کہ اپنی دار السلطنت میں پہنچ کر بھی بلایا، مگر جانا منظور نہیں کیا اور یہی جواب دیا کہ میری قوت لایموت کے واسطے یہی نوکری کافی ہے۔ جس رسالہ میں نوکر تھے اس رسالہ کے کرنیل کا یہ طریقہ تھا کہ نوکری کے وقت باہر جاتے تھے، ورنہ رات دن ایک کمرہ میں تنہا خاموش بیٹھے رہا کرتے، نصف تنخواہ اپنے میم صاحب کو اور نصف راہ خدا میں دیا کرتے تھے، جب باہم زیادہ ربط وضبط ہوگیا ایک دن کرنیل صاحب نے یہ بات کہی کہ آپ صاحب ذوق شوق ہیں مگر صاحب توحید نہیں، چونکہ حضرت کی نسبت ذوق شوق میں قوی تھی، تین چار دن کی ملاقات میں اس پر نسبت غالب آگئی، اور نسبت توحید کرنیل صاحب کی مغلوب ہوگئی اور گریہ وزاری ان پر طاری ہوگیا"۔۔۔ (۱۶)

بہر حال شاہ صاحب کے والد بھی ایک بلند مرتبہ اور صاحب نسبت بزرگ تھے، شاہ صاحب کی تصریح کے مطابق وہ اخیر میں وظیفہ یاب ہو کر وطن واپس ہو گئے تھے۔۔۔ (۱۷)، اس لئے قیاس غالب یہ ہے کہ اپنے وطن استھانواں ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے، لیکن تاریخ وفات اور مدفن کا پتہ نہیں چلتا۔

تذکرہ غوثیہ میں شاہ صاحب کی زبانی ان کے والد ماجد کی بعض نصیحتیں بھی منقول ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں:

''ہمارے والد ماجد کی نصیحت بھی یہی تھی کہ گھر بنا کر نہ رہنا، جہاں جگہ مل گئی آرام کرلیا''۔۔۔(۱۸)

ایک جگہ منقول ہے:

''ہمارے والد بزرگوار کی یہ نصیحت تھی: اگر مال دینے سے جان بچے تو مال کو فدا کر دو اور مال وجان کے دینے سے عزت قائم رہے تو جان ومال کو فدا کر دینا چاہیے۔

خیر کی نان سے گذرتی ہے ❁ مرد کی آن سے گذرتی ہے

اور اگر مال وجان وعزت تینوں کے قربان کرنے سے دین ہاتھ آوے تو ان سب کو دین پر قربان کر دینا چاہیے''۔۔۔(۱۹)

شاہ صاحب کے دیگر افراد خاندان بھی صاحب نسبت تھے، ان کے بھائی سید ابوالحسن صاحب اپنی جوانی میں غائب ہو کر زمرۂ ابدال میں شامل ہو گئے تھے، اور اسی طرح ایک اور چچا زاد بھائی بھی اس فیض سے بہرور تھے، ان کی بعض کرامات کا ذکر شاہ صاحب کی دونوں سوانح ''تذکرہ غوثیہ'' اور ''ریاض الفقر'' میں موجود ہے۔۔۔(۲۰)

ان کے چھوٹے بھائی جو ان کے حقیقی بھائی تھے اور دونوں ایک ہی ماں باپ سے تھے سید الحسن ان کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ شاہ صاحب ایک طویل عرصہ تک گم شدہ رہنے کے بعد جب وطن تشریف لائے تو وہی بھائی ان کی خدمت میں کھانا لاتا تھا۔۔۔(۲۱)

ولادت اور تعلیم:

بروز جمعہ ۷؍دسمبر ۱۸۰۴ء مطابق ماہ رمضان المبارک ۱۲۱۹ھ کو اپنے آبائی وطن استھانواں (بہار شریف، نالندہ) میں شاہ صاحب کی ولادت ہوئی۔۔۔(۲۲) آپ کے دادا نے آپ کا نام خورشید علی اور والد نے انوار الحسن اور بڑی والدہ صاحبہ (والد کی زوجہ اولی) نے غوث علی نام رکھا، آخری نام زبان زد خاص وعام ہوا۔ آپ کی والدہ صاحبہ کو ایک قسم کا جنون ہو گیا تھا اس لئے دودھ پلانے کے لئے ایک غیر مسلم برہمن خاتون کی خدمت حاصل کی گئی۔۔۔(۲۳)

چار سال چار مہینے کی عمر میں اپنی بڑی والدہ (والد کی زوجہ اولی) سے بسم اللہ پڑھ قرآن شریف شروع کیا، دس برس کی عمر میں قرآن شریف نصف حفظ کر لیا اور نصف ناظرہ پڑھا، فارسی کی کتابیں سکندر نامہ تک ریاض الفقر کے اطلاع کے مطابق اپنے والد سے پڑھیں، عربی صرف ونحو کی تعلیم اپنے نانا مولانا محمد حیات صاحب سے پڑھیں، اور سنسکرت کی تعلیم بھی ایک غیر مسلم سے حاصل کی۔۔۔(۲۴)

مولانا محمد حیات ان کی بڑی والدہ کے والد تھے، شاہ صاحب کے حوالہ سے تذکرہ غوثیہ میں متعدد مواقع پر ان کا ذکر

موجود ہے،گویا بچپن میں شاہ صاحب نے ان کی صحبت اٹھائی تھی،ایک بزرگ کی خدمت میں بھی ان کے ساتھ جانے کا ذکر کیا ہے،یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کا وطن کہاں تھا،آیا استھانواں ہی کے تھے یا اور کسی جگہ کے،شاہ صاحب نے اپنی نانیہال ایک ضمنی اشارہ میں ''نور پور'' بتائی ہے،۔۔۔(۲۵) جو بظاہر ان کی حقیقی والدہ کا وطن معلوم ہوتا ہے یہ موضع ''بیند'' (نالندہ) (متصل مکامہ ضلع پٹنہ) کے قریب ایک بستی ہے،شاہ صاحب کے حقیقی نانا کا تذکرہ غوثیہ یا ریاض الفقر میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا،بظاہر مولانا محمد حیات کا وطن بھی استھانواں ہی تھا اور شاید یہیں شاہ صاحب نے ان سے تعلیم حاصل کی تھی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد ان کے والد نے انہیں اپنے پاس دہلی بلالیا،جہاں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے اہل خاندان اور ان کے مدرسہ رحیمیہ میں انہیں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا،چنانچہ اس دودمان عالی کے عظیم المرتبت بزرگوں،حضرت شاہ عبدالعزیزؒ،شاہ اسماعیل اور شاہ اسحق تینوں سے انہوں نے فائدہ اٹھایا،ایک جگہ فرماتے ہیں''جب حضرت قبلہ گاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبدیلی دہلی کو ہوئی تو ہم کو بھی وطن سے طلب فرمالیا اور مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں سپرد کردیا۔۔۔(۲۶)

بظاہر حضرت شاہ اسحق صاحب سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات کے بعد تلمذ کا موقع ملا ہوگا۔ریاض الفقر میں اس کے مصنف مولوی امداد حسین میرٹھی نے لکھا ہے کہ''حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں علم کے واسطے حاضر ہوئے تھے،طبیعت اقدس ہمہ تن تحصیل علم باطنی کی طرف زیادہ متوجہ تھی،بلکہ ہر طرح اس کے جویاں اور خواہاں تھے، مولوی صاحب نے بارہا فرمایا کہ ابھی تمہاری عمر بہت تھوڑی ہے،اور راہ خدا بسیار دشوار اور پیچ دار ہے،عرض کیا اب جو قدم راہ خدا میں رکھ دیا جو ہو سو ہو''۔۔۔(۲۷)

شاہ صاحب نے منقولات کی تعلیم خانوادۂ شاہ ولی اللہ کے مدرسہ رحیمیہ میں اور معقولات کی تعلیم سلسلۂ خیر آباد کے مشہور عالم مولانا فضل امام خیر آبادی سے پٹیالہ میں وہاں ان کے دوران قیام حاصل کی،مولوی فضل امام صاحب کا انتقال ہوگیا تو شاہ صاحب نے معقولات کی تعلیم ترک کردی،ان کے متوسل ومسترشد جناب حافظ امداد حسین میرٹھی نے ریاض الفقر میں لکھا ہے کہ:''دہلی میں مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب اور مولوی شاہ اسحاق صاحب بخوبی تحصیل علم حدیث وغیرہ فرمائی،اور کتابیں منطق ودینیات کی مولوی فضل امام صاحب خیر آبادی سے پڑھیں،جب مولوی فضل امام صاحب کا انتقال ہوگیا آپ نے ترک تحصیل کیا''۔۔۔(۲۸)

مولوی فضل امام صاحب کے صاحبزادے مشہور معقولی عالم مولوی فضل حق خیر آبادی بھی اس وقت وہیں اپنے والد کے ساتھ تھے،زمانہ کے بعد شاہ صاحب کی ان سے رامپور میں ملاقات ہوئی تو بچپن کے واقعات کا ذکر آیا،مولوی فضل حق صاحب نے اسی نسبت کی بنا پر ان کی ضیافت بھی فرمائی۔اس سلسلہ میں تذکرہ غوثیہ میں ان کی زبانی کئی واقعات منقول ہیں، اس کی اطلاع کے مطابق شاہ صاحب ہی نے مولوی صاحب کو تکمیل تعلیم کی طرف متوجہ کیا تھا۔

صاحب تذکرہ غوثیہ نے حضرت شاہ صاحب کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے مولوی فضل امام کے بارے میں فرمایا:
''یہ مبرور مغفور ہمارے حال پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔اور ان کی اہلیہ کو ہم سے مثل مادر مشفقہ کے محبت تھی، حتی کہ بغیر ہمارے کھانا نہ تناول فرمایا کرتی تھیں، ہم ان کے ساتھ پیٹیالہ بھی گئے اور ضروری کتب دینیہ اور منطق پڑھتے رہے، جب وہ عالم قدس کو رحلت فرما ہوئے تو ہم کو نہایت رنج ہوا، اس دن سے کتابیں بالائے طاق رکھ دیں کہ نہ کوئی اس شفقت سے پڑھائے گا نہ ہم پڑھیں گے''۔۔۔(۲۹)

حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کے درس کا ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں: ''میں مولوی شاہ اسحاق صاحب سے مشکاۃ شریف کا سبق پڑھ رہا تھا، کا ذکر آیا، میں نے کہا، حضرت! اس کے معنیٰ سمجھ میں نہیں آتے، کیوں کہ لیس الخبر کالمعائنۃ، شاہ صاحب نے ہمارے والد ماجد سے پوچھا کہ فرمائیے تو ان کو معنیٰ سمجھا دئے جائیں، انہوں نے کہا، حضرت! نہیں، ابھی یہ بچہ ہے''۔۔۔(۳۰)

جب شاہ صاحب حج کو گئے تو اس وقت حضرت شاہ اسحاق مکہ ہجرت کر چکے تھے اور وہیں موجود تھے، وہاں انہوں نے ان سے کتب حدیث کی اجازت لی، حصن حصین کی بھی اجازت لی۔۔۔(۳۱)

تصوف کے باذوق طالب علموں کے لئے اس زمانہ میں مثنوی مولانا روم کا درس بھی لازم سمجھا جاتا تھا، چنانچہ اس کے کچھ اسباق مولوی قلندر علی جلال آبادی سے پڑھے تھے، لیکن پھر ایک بحث کے بعد درس چھوڑ دیا۔اور میر پنجہ کش خوش نویس سے عربی و فارسی میں خط نسخ وشکستہ کی اصلاح بھی لی تھی۔۔۔(۳۲)

شاہ صاحب نے بچپن میں سنسکرت بھی اپنے وطن میں ایک پنڈت سے پڑھی تھی، اور آپ کو اس زبان سے دلچسپی بھی تھی اسی لئے آپ کے ملفوظات میں جا بجا ہندی اور سنسکرت زبان کے اشعار نظر آتے ہیں۔

شاہ صاحب نے یہ مکمل تعلیم تقریباً اٹھارہ بیس سال کی عمر میں مکمل کر لی تھی، اس کے بعد وہ درویشی میں مشغول ہو گئے، بزرگوں کی زیارت اور ان کے استفادہ میں ایک طویل عرصہ گذارا۔

انہوں نے خاندان کے دستور کے مطابق سب سے پہلے اپنے والد سے بیعت کی، یہ ان کا خاندانی اور آبائی سلسلہ تھا اور روحانی بھی۔بزرگوں کی خدمت میں حاضری کا ذوق خود ان کے اہل خاندان نے بچپن سے ہی ان کے اندر پیدا کر دیا تھا، چنانچہ وہ اپنے نانا اور دادا دونوں کے ساتھ متعدد بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سب نے ان کے روشن مستقبل کی شہادت دی۔خود ان کے والد ان کو بچپن میں دہلی میں اہل اللہ اور درویشوں کی خدمت میں لے جاتے تھے۔۔۔(۳۳)

ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ دہلی کے دوران قیام سید فدا حسین رسول شاہی کی خدمت میں گئے۔۔۔(۳۴) ان کا ذکر سرسید نے بھی آثار الصنادید میں کیا ہے، سید صاحب کے خاندان کے بعض بزرگ شاہ فدا حسین سے بیعت تھے۔

پھر شاہ صاحب کے والد نے ان کو بابری (ضلع شاملی، مظفر نگر) لے جا کر میر اعظم علی صاحب سے بیعت کروایا، اپنے والد کے بعد شاہ پر سب سے گہرا اثر انہی بزرگ کا رہا، ویسے تو شاہ صاحب نے بیسیوں کی صحبت حاصل کی اور ان سے مستفیض ہوئے۔ میر اعظم علی صاحب بھی شاہ صاحب پر بہت شفقت فرماتے، اور خصوصی عنایت سے سرفراز فرماتے، شاہ صاحب کے بقول "دل و جان سے عنایت محبت فرماتے، جہاں میں جاتا آپ بھی ہمراہ جاتے، اگر سفر دور دراز کا ہوتا تو مدت مراجعت کا اقرار کر لیتے، اتفاقاً معاودت میں دیر ہو جاتی تو خود جستجو کے لئے سفر کرتے، تاحین حیات یہی معاملہ رہا، جب خلافت عطا فرمائی تو اپنی اولاد کو ہمارے ہاتھ پر بیعت کرایا"۔۔۔(۳۵)

شاہ صاحب کا سب سے زیادہ قیام بھی یہیں (بابری ضلع شاملی میں) رہا، چنانچہ پانی پت کے مستقل قیام سے قبل شاہ صاحب کے اوقات کا بڑا حصہ ملک و بیرون ملک کے سفر میں گذرا، اس کے علاوہ سفر سے جب بھی فرصت ملتی یہیں قیام کرتے۔ اس طرح شاہ صاحب نے بقول حافظ امداد حسین تقریباً بابری میں تیرہ برس گذارے۔ حضرت میر اعظم صاحب شاہ صاحب کی اپنی صاحبزادی سے شادی بھی کرنا چاہتے تھے، لیکن شاہ صاحب نے مسلسل اصرار کے باوجود بھی انکار کر دیا اور تجرد ہی کی زندگی گذاری۔۔۔(۳۶)

شاہ صاحب نے تمام سلسلوں کا فیض پایا، خاندانی و نسبی سلسلہ قادریہ ہے، نیز ان کے شیخ شاہ اعظم علی صاحب کا سلسلہ بھی قادریہ ہی ہے، سہروردیہ سلسلہ کا فیض دہلی میں سید فدا حسین صاحب سے حاصل کیا، نقشبندیہ سلسلہ حضرت شاہ حبیب اللہ صاحب سے میرٹھ میں حاصل کیا، جو حضرت شاہ ابو سعید دہلوی خلیفہ حضرت شاہ غلام علی کے خلیفہ خاص تھے، حضرت شاہ امیر الدین ساکن بوڑیہ (جگادری، غازی آباد) سے بھی آپ نے بیعت کی تھی۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی خدمت میں حاضری کا ذکر ریاض الفقر میں ان الفاظ میں ہے: "ایک روز حضور کے والد ماجد آپ کو میاں غلام علی شاہ نقشبندی کی خدمت میں لے گئے، شاہ صاحب نے دیکھ کر فرمایا، ہمارے پاس چند روز ان کو چھوڑ دو، ہم تعلیم و تربیت اپنی راہ کی کریں گے، حضور کے والد نے منظور نہ فرمایا"۔۔۔(۳۷)

اسفار :

حضرت شاہ غوث علی کے سوانح حیات میں اسفار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، پانی پت کے مستقل قیام کے بعد تو کہیں ان کے سفر کا کوئی ذکر نہیں ملتا اس لئے بظاہر امکان یہی ہے کہ اس کے بعد انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، لیکن اس سے قبل ان کی زندگی سیر و سیاحت ہی کی نذر ہوئی، چنانچہ انہوں نے بزرگوں کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کے لئے جس قدر صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کی وہ خود ایک مستقل باب ہے، اسی لئے تذکرہ غوثیہ کے مصنف نے دوسرا باب شاہ صاحب کی سیاحت کے تذکرہ ہی کے لئے مختص کیا ہے۔ مشائخ سے استفادہ کا مزاج تو خود ان کے اہل خاندان کا فیض تھا، اپنی صغر سنی میں وہ کئی بار اپنے والد اور نانا و دادا کے ساتھ مختلف بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے، چنانچہ ان کے عارضی مستقر "بابری" کے قریب

یوپی اور پنجاب کے اہم شہروں اور علاقوں میں شاید ہی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں کوئی بزرگ ہو اور وہاں شاہ صاحب کے قدم نہ پہنچے ہوں، جو علاقے عہد مغلیہ کی تقسیم کے مطابق صوبہ دہلی میں تھے وہ ان کے چھانے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ، وہ دہرہ دون، ہریدوار سے لے کر سری نگر تک کے علاقے کی سیر کر چکے تھے۔ مشرقی یوپی کے مختلف شہروں میں بھی ان کی آمد ہوئی تھی۔

شاہ صاحب کے ایک متوسل واقف الرحمن صاحب انسپکٹر لکھتے ہیں: ''حضور نے ہندوستان کے تقریبا تمام شہر دیکھے، سمندر پار سفر کئے، مصر، بغداد، بیت المقدس، نجف اشرف، مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، روم وشام میں مختلف دیار وامصار میں پہنچے، جہاں کہیں کسی درویش کامل کا حال سنا اس کی دید کا آپ کو اشتیاق ہوا، اور وہاں پہنچے اور اس سے استفادہ حاصل کیا، نواسی بزرگوں سے کہ کملائے روزگار سے تھے اور اپنے اپنے وقت کے فرید الدہر تھے ان سے ملاقات کی اور فیض حاصل کیا''۔۔۔(۳۸)

شاہ غوث علی صاحب کے بعض اسفار کی ترتیب جس حد تک معلوم ہو چکی پیش خدمت ہے۔

وہ میرٹھ میں حضرت شاہ حبیب اللہ کی خدمت میں پہنچے تھے، وہاں طویل قیام کے بعد ان کی ایما پر خورجہ گئے، شاید اسی سفر میں مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے مراد آباد پہنچے۔ شاہ صاحب کا معمول تھا جہاں بھی قیام کرتے وہاں کے اہل اللہ اور بزرگوں سے ضرور ملتے اور اہل علم سے بھی ملاقات کرتے اور یہی ان کا مقصد سفر ہوتا، مراد آباد سے وہ بریلی آئے، وہاں سے کاکوری (لکھنؤ) چلے گئے، پھر کاکوری سے شہر لکھنؤ پہنچ کر کچھ دنوں قیام فرمایا۔ یہاں کے لوگوں میں شاہ صاحب نے مولوی عبد الرحمن صاحب موحد سے ملاقات کا ذکر کیا ہے، اسی طرح وہ مختلف مقامات کی سیر کرتے رہے۔ وسائل حمل ونقل کی اتنی سہولت نہیں تھی کہ ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچ جائیں اس لئے شہروں کے علاوہ قصبات اور دیہاتوں میں بھی جہاں سے گذر ہوتا قیام کرتے اور بعض جگہ کئی کئی دن ٹھہر جاتے۔

چنانچہ لکھنؤ سے وہ بنارس چلے گئے اور وہاں سے نیپال گئے، نیپال سے واپس آ کر علی گڑھ پہنچے، علی گڑھ سے آگرہ جا کر وہاں کے بزرگ شاہ ابو البرکات صاحب سے مستفید ہوئے، آگرہ سے ایک بزرگ کی زیارت کے لئے گوالیار پہنچے وہاں سے ایک گاؤں میں ٹھہرتے ہوئے راجگڑھ پہنچے اور پھر شاید اسی کے قریب ایک فوجی کیمپ میں جہاں ان کے والد کی ملازمت منتقل ہو چکی تھی، اپنے والد کے پاس آ کر چھ مہینے قیام فرمایا، پھر وہاں سے واپس ہوئے۔ اخیر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''جا بجا کی سیر کرتے ہوئے ہم بابری پہنچے''۔۔۔(۳۹)

یہ شاہ صاحب کا پہلا دورہ تھا اس کے بعد وہ اپنے شیخ کی خدمت میں بابری (ضلع شاملی) چلے آئے لیکن چند ہی دنوں کے بعد شیخ کا انتقال ہو گیا تو پھر دوبارہ سیاحت کے لئے نکل پڑے چنانچہ خود ان کے الفاظ ہیں کہ ''جب میرا عظم شاہ کا انتقال ہو گیا تو نہایت رنج وغم ہوا، دل میں وحشت پیدا ہوئی، بابری سے چل نکلے اور سیر وسیاحت اختیار کی''۔۔۔(۴۰)۔ اسی دوران شاہ صاحب دو بار حج سے بھی مشرف ہوئے۔

بابری سے چلے تو ان کی پہلی منزل قادر گنج تھی، وہاں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، ان سے استفادہ کیا، اخیر میں انہوں نے فرمایا کہ ''اب ہماری عمر میں صرف دس روز باقی ہیں تم جاؤ اور بھی دو شخص تمہارے منتظر ہیں، ایک تو چراغ علی شاہ سنیتھل (ضلع بریلی) میں اور دوسرے واجد علی شاہ زبید (یمن) میں، اب کمر باندھو، میاں چراغ سے جا کر ملو پھر حج کو جاؤ، اچھا رخصت، خدا کے سپرد''۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''اس وقت تک ہمارا ارادہ حج کا نہ تھا کیونکہ فرض تو تھا نہیں مگر ان کے فرمانے سے عزم مصمم ہوگیا''۔ چنانچہ وہ حسب ارشاد قادر گنج پہنچ کر شاہ چراغ علی کی خدمت میں تین مہینے رہے پھر وہاں سے میرٹھ آ کر حج کے لئے رخت سفر باندھا، چلتے ہوئے ایک ہندو معتقد نے دس بارہ جوڑے کپڑے اور پچاس روپئے نذر کئے، لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''ہم نے اس نقد اور جنس میں سے صرف پانچ روپیہ اٹھائے اور ان میں سے بھی شہر سے باہر نکلتے نکلتے ہمارے پاس صرف پانچ ٹکے رہ گئے''۔ میرٹھ سے وہ دہلی حاضر ہو کر اپنے شیخ شاہ فدا حسین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفر حج کا ارادہ ظاہر کیا اور ان کی دعائیں لیتے ہوئے مختلف شہروں اور قصبات میں قیام کرتے، وہاں کے اہل علم و اہل دل سے مستفید ہوتے اور اپنا فیض عام کرتے ہوئے بمبئی پہنچے جہاں سے انہیں سمندری سفر کا آغاز کرنا تھا، چنانچہ دہلی سے وہ پنجاب اور راجستھان سے گذرتے ہوئے بھوپال پہنچے، بھوپال میں شاید وہ کئی دن رہے اور متعدد اہل علم سے ملے، جن میں ہندوستان کے مشہور قاری عبید اللہ عرف قاری لالہ اور دیگر حضرات کے واقعات انہوں نے تفصیل سے ذکر کئے ہیں، پھر اندور میں بارہ دن ٹھہرنے کا ذکر کیا ہے، بمبئی پہنچ کر حکیم عبد اللہ شاہ کی مسجد میں قیام ہوا۔ وہاں سے بذریعہ جہاز وہ جدہ پہنچے، اس سفر جہاز کے بھی بعض دلچسپ واقعات ہیں۔

حرم مکی میں حسن علی زمزمی کے حجرہ میں قیام ہوا، وہاں حضرت شاہ یعقوب دہلوی اور حضرت شاہ اسحق دہلوی سے ملاقات ہوئی، جن سے انہیں تلمذ کا بھی شرف حاصل تھا، حضرت شاہ صاحب ہندوستان سے ہجرت کر کے وہاں خدمت علم و دین میں مصروف تھے، حضرت شاہ اسحق صاحب سے شاہ صاحب نے حصن حصین کی اجازت لی۔

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور تقریباً چھ مہینہ قیام رہا، پھر مکہ معظمہ آ کر کچھ دن مقیم رہے، دوران قیام مکہ کی بات ہے کہ ایک دن باہر کعبہ کی مرمت ہو رہی تھی، شاہ صاحب کے بقول ''ہم بھی مزدوروں میں شامل ہو گئے اور چونہ کی ٹوکری سر پر رکھ کر اوپر پہنچے اور دوگانہ ادا کیا''۔ بیت اللہ شریف سے روانہ ہو کر یمن پہنچے، جہاں عدن میں شیخ عیدروس کی زیارت کے بعد چار دن کی مسافت طے کر کے زبید آئے اور حضرت اویس قرنی کی قبر پر حاضری دی (عام سیرت کے مطابق)، اور واجد علی شاہ صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر ان سے استفادہ کیا جن سے ملاقات کی تاکید ان کے شیخ نے کی تھی، زبید سے چل کر ملک خوارج یعنی مسقط میں ٹھہرتے ہوئے بغداد آئے، وہاں سے نجف اشرف پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضری دینے کے بعد کوفہ اور کربلائے معلی میں حضرت حسین کے مزار کی زیارت کرتے ہوئے پھر واپس بغداد آئے، یہاں

چار مہینے مقیم رہے اور بزرگوں کی زیارت کی ، انہوں نے اس ضمن میں حضرت معروف کرخی کی زیارت کا تذکرہ کیا ہے ، ریاض الفقر کی اطلاع کے مطابق وہ اپنے جد اعلیٰ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی قبر پر بھی حاضر ہوئے ــــ (۴۱) وہاں سے بصرہ اور بصرہ کے بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہو کر سورت میں قیام کرتے ہوئے بمبئی پہنچے ، بصرہ میں حضرت حسن بصری اور دیگر بزرگوں کی قبر پر حاضری دی ۔ بمبئی سے روانہ ہو کر منزل بہ منزل سیر کرتے ہوئے دہلی آپہنچے ، اور چھ مہینے تک زینت المساجد میں رہے ۔ زینت المساجد کے طویل دور قیام میں مختلف واقعات پیش آئے ، جن میں مرزا غالب اور رجب علی بیگ سرور کی حاضری اور خدمت قابل ذکر ہے ۔ بالخصوص غالب کی عقیدت مندی اور مہمان نوازی اور بذات خود شاہ صاحب کے لئے گھر سے کھانا لے کر حاضر ہونے کا واقعہ بہت اہمیت رکھتا ہے ــــ (۴۲)

زینت المساجد میں چھ مہینے گذرے تھے کہ شاہزادہ شکور نے آکر حج کی پیش کش کی ، شاہ صاحب نے فرمایا کہ ''اگر کوئی اسی مقام سے سوار کر کے لے چلے اور یہیں لا کر اتارے تو کوئی مضائقہ نہیں ، انہوں نے اگلے دن سچ مچ گاڑی لا کر کھڑی کر دی اور کہا کہ سوار ہو جائیے ، شاہ صاحب کہتے ہیں کہ'' پہلے تو ہم حیران رہ گئے کہ کل کی بات ہے ہم تو ہنسی سمجھے تھے ، خیر اسی دم سوار ہوئے اور منزل بہ منزل لدھیانہ پہنچے'' ــــ (۴۳)

لدھیانہ میں تین دن ٹھہر کر لاہور اور ملتان ہوتے ہوئے کراچی پہنچے اور جہاز میں سوار ہو کر بغداد میں اتر آئے ، کربلا اور نجف کی زیارت کرتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے ، فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ گئے ، مدینہ سے پھر مکہ آئے ، مولانا یعقوب صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے دوبارہ اس قدر جلد سفر پر حیرت کا اظہار فرمایا پھر ہندوستان کے حالات پوچھے ۔ شاہ صاحب ان سے بہت بے تکلف تھے ، چنانچہ مکہ معظمہ سے سوار ہو کر بمبئی اور بمبئی سے دلی پہنچے اور وہیں آکر اترے جہاں سے چلے تھے ، اس طرح شاہ صاحب کو چھ مہینے کے بعد ہی دوسرے حج کا موقع ملا ــــ (۴۴)

دہلی پہنچ کر کچھ دن وہیں مقیم رہے ، پھر سیر وسیاحت کے لئے نکل پڑے ۔ دہلی سے چل کر شاہجہاں پور پہنچے ، اس سفر میں سرونج میں سید وزیر علی نواب ٹونک سے ملاقات کی ، قنوج میں ایک خانقاہ میں کئی روز مقیم رہے ۔ شمس آباد اور لکھنؤ میں بھی طویل عرصہ گذار کر بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی ، اور ان سے فیض اٹھایا ، لکھنؤ میں مولانا سلامت اللہ سے ملاقات وصحبت رہی ، نواب سید وزیر علی (غالبا نواب ٹونک جو شاہ صاحب کے مرید تھے) بھی ساتھ تھے ، لکھنؤ میں ایک مسجد میں قیام رہا ، مختلف مقامات پر حاضری اور لوگوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں ۔

لکھنؤ سے بنارس میں قیام کرتے ہوئے اپنے وطن استھانواں (بہار شریف) کے لئے روانہ ہوئے ، راستہ میں ان کی نانہال موضع نور پور (بہار شریف) آیا تو وہاں اتر گئے وہاں عصر کے وقت پہنچے ، وہاں ان کے ماموں نے مسافر سمجھ کر ان کی ضیافت کی اور نانی صاحبہ سے ملاقات ہوئی ــــ (۴۵)

رات کو شاہ صاحب نے کھانا کھا کر مسجد میں آرام کیا اور صبح اپنے وطن روانہ ہوئے، شاہ صاحب کی وطن آمد اور قیام کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے، انہوں نے خود اسے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، تذکرہ غوثیہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں وطن سے گئے تھے اس کے چوبیس سال کے طویل عرصہ کے بعد جب کہ وہ اپنے ملک کے بڑے حصہ کے علاوہ مختلف اسلامی ممالک کی بھی سیاحت کر چکے تھے اور دو مرتبہ حج بیت اللہ سے بھی سرفراز ہو چکے تھے، اپنے وطن آئے۔

اس طویل عرصہ کے بعد جب وہ وطن پہنچے تو ان کی عمر ۴۵-۵۰ کے قریب ہو چکی تھی، ان کے وطن کے اس قیام وطن کی تفصیل بڑی دلچسپ ہے اس لئے انہیں کے الفاظ میں پوری نقل کی جاتی ہے:

''لکھنؤ سے ہم اپنے وطن کو روانہ ہوئے، جب ننھیال کے گاؤں ''نور پور'' میں پہنچے تو مسجد میں جا اترے، عصر کے وقت ہمارے ماموں صاحب چری کا بار سر پر رکھے مسجد سے گذرے، ایک شخص نے پکار کر کہا کہ ہمارے میر صاحب بڑے بھاگوان ہیں، جب باہر سے تشریف لاتے ہیں تو بھرے پرے آتے ہیں، آپ ہنستے ہوئے چلے گئے، پھر نماز کے واسطے مسجد میں تشریف لائے، میاں جی نے کہہ دیا کہ میر صاحب! آج ایک مسافر بھی آگیا ہے، بعد نماز مغرب ہم کو اپنے گھر لے جا کر بٹھایا اور خود کسی کام کے لئے باہر گئے، گھر میں صرف نانی صاحبہ بخار کی شدت میں پڑی کراہتی تھیں، وقت فرصت کو غنیمت سمجھ کر ہم ان کے پاؤں دبانے لگے، عرض کیا کون؟، عرض کیا کہ مسافر ہوں اور سید، آپ کا نواسہ، خفا ہو کر بولیں کہ میرا نواسہ کیوں ہوتا، خدا جانے کون ہے کون نہیں، میرے پاؤں کو ہاتھ مت لگا، اتنے میں ماموں صاحب آگئے پوچھا کیا ہے؟ نانی صاحبہ نے فرمایا کہ یہ نامحرم مسافر کہتا ہے کہ میں تمہارا نواسا ہوں اور پاؤں دبانے کو آبیٹھا، ماموں نے کہا خیر نواسا نہ نواسوں کے برابر تو ضرور ہے اگر پاؤں دباتا ہے تو کیا مضائقہ ہے، لیکن انہوں نے نہ مانا۔ کھانا کھا کر ہم مسجد میں آئے، صبح سویرے اٹھ کر گھر کو روانہ ہوئے..... جب ننھیال کے گاؤں سے چل کر وطن میں پہنچے تو محلہ کی مسجد میں جا ٹھہرے، مسجد کے ملا نے ہمارے گھر خبر کی کہ آج ایک مسافر نووارد مسجد میں آگیا ہے، شام کے وقت ہمارا چھوٹا بھائی حیدر حسن جس کی عمر بارہ برس کی تھی ہمارے لئے کھانا لایا، ہم نے اس کا اور باپ دادا کا نام اور قوم پوچھی، سب باتوں کا جواب ٹھیک دیا، برتن واپس لے کر گھر گیا اور والدہ صاحبہ سے ساری باتیں بیان کیں، وہ سن کر چپ ہو رہیں۔ ایک روز ہم نے حجام کو بلایا اور حجامت بنوائی، ہمارے سر میں ایک نشان تھا بہ شکل چلیپا، وہ دیکھ کر بولا حضور اگر قصور معاف ہو تو کچھ عرض کروں، ہم نے عرض کیا کہ اچھا کہو، بولا کہ یہ نشان جو آپ کے سر پر ہے میرے ہاتھ کا ہے، اب یہ نہیں معلوم کہ آپ وہی ہیں یا کوئی اور، ہم نے حال پوچھا تو اس نے ہمارا قصہ ہو بہو سنایا کہ سید احمد علی کا ایک لڑکا تھا غوثن نام، اس کے میں نے ایسا شگاف دیا تھا، مدت ہوئی وہ گم ہو گیا تھا، آج تک پتہ نہیں، ہم نے اس کو لطائف الحیل سے ٹال دیا۔ بھائی حیدر حسن ہمارے لئے کھانا لاتا اور ہم اس سے کچھ نہ کچھ ہنسی کی بات کہہ دیتے، ایک دن ہم نے کہا کہ آؤ بھائی ہمارے ساتھ کھانا کھالو، اس نے برا مانا، والدہ سے جا کر کہا کہ یہ مسافر مجھ کو روز چھیڑتا ہے، اور دیکھتا رہتا ہے، آج سے روٹی دینے نہیں

جاؤں گا، اتفاق سے اس دن ملا کی کہیں دعوت تھی، مغرب کی اذان ہم کو دینی پڑی، والدہ صاحبہ نے آواز پہچان لی، شام کو حیدر حسن کھانا لایا تو یہ پیام دیا کہ کل صبح کو آپ کی دعوت ہے مکان پر چل کے کھانا، ہم نے دل میں کہا خدا خیر کرے، کہیں بڑی بی نے پہچان تو نہیں لیا، صبح کو ہم بلائے گئے، پردہ ہوا، صحن میں بیٹھے، والدہ صاحبہ نے پہلے تو پس پردہ ہم کو خوب دیکھا بھالا، پھر باہر نکل کر ہمارے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور فرمایا ماروں تھپڑ؟ ہم نے کہا ہیں ہیں!! مائی صاحبہ میرا کیا گناہ ہے، گھر میں بلا کر غریب مسافر کو مارتی ہو، فرمایا، خوب! ابھی بھی انکار ہی کئے جاتا ہے، ہم نے تجھ کو کھلایا پلایا، پالا، پرورش کیا، ہماری گود میں ہوش سنبھالا، چھوٹے سے بڑا ہوا، ہم تجھ کو نہ پہچانیں گے؟، اب چوبیس برس بعد آیا تو چوروں کی طرح مسافر بن کر مسجد میں ٹھہرا، اس وقت ہم سے کیا بھول ہوئی کہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا، میں غوثن نہیں ہوں، یہ بات منہ سے نکلی تھی کہ انہوں نے ہنس کر فرمایا کہ تو غوثن نہیں تو اس کا نام کیسے معلوم ہوا، اس کے بعد ہم نے قدم بوسی کی، انہوں نے ہم کو سینے لگایا اور زار زار رونے لگیں، اتنے میں دوسری والدہ صاحبہ بھی خفا ہوتی آئیں کہ ارے بے مروت بے وفا تو ہم کو بھول گیا؟ چوبیس برس میں ایک دفعہ بھی اپنی خبر نہ بھیجی، بڑی والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ کیا اس نے کہیں شادی کرلی تھی یا کہیں کا بادشاہ بن بیٹھا تھا جو بھول گیا، بے چارہ قسمت کا مارا نصیبوں کی گردش سے دربدر پھرتا رہا، یہی غنیمت سمجھو کہ آنکلا اور ہم کو اپنی صورت دکھادی، اگر نہ آتا تو ہم اس کا کیا کر لیتے۔ المختصر ہم نے منت سماجت کر کے سب کو راضی کرلیا اور چوبیس روپے جو ہمارے پاس تھے سب کے سامنے رکھ دئے، حیدر حسن سے ہم نے کہا لو اب تو ہم تمہارے بھائی ہیں آؤ مل لو، وہ رونے لگا، ہم نے پیار کیا، اس کا عجیب حال تھا، جہاں ہم کو دیکھتا رو دیتا، ہم نے بہت پوچھا، کہا میں نہیں جانتا کیا بات ہے، آپ کو دیکھ کر بے اختیار میرا جی بھر آتا ہے، ہمارے آنے کی خبر سن کر نانی صاحبہ بھی تشریف لائیں، میں نے کہا، اس وقت آپ نے پاؤں دبوائے نہیں تھے اب میں بھی نہیں ملتا، فرمایا کہ تو بڑا دغاباز اور فریبی ہے، کیوں نہیں کہا تھا کہ میں غوثن ہوں، پھر میں نے قدم بوسی کی انہوں نے پیار کیا..... چند روز کے بعد سب گھر والے سر ہوئے کہ تمہاری منسوبہ اب تک بیٹھی ہوئی ہے کسی سے نکاح نہیں کرتی، بہتر ہے کہ اب تم شادی کرلو، یہ مضمون سن کر ہم بہت گھبرائے، آخر بڑی مشکل سے اس نیک بخت کی شادی بھائی سید الحسن کے ساتھ کرادی کیوں کہ ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا، پھر ایک دن والدہ صاحبہ نے کہا کہ تیرے حصہ کی جائیداد موجود ہے مناسب ہے کہ اپنے حقیقی بھائی سید الحسن کے نام لکھ دیتے، میں نے عرض کیا کہ ان سے کیا خصوصیت، مجھ کو تو سب بھائی برابر ہیں، چنانچہ سب کو برابر تقسیم کردی''۔(۴۶)

یہ تذکرہ غوثیہ کے مصنف کا بیان ہے لیکن ریاض الفقر کے مصنف نے ان تمام واقعات کو دوسرے پیرایہ میں ذکر کیا ہے، ان کی حسب تصریح شاہ صاحب تین بار اپنے وطن گئے، ایک بار اپنے والد کی تمنا پر گئے تھے لیکن ملاقات نہیں ہوسکی تھی، وہ لکھتے ہیں: ''بیت اللہ میں ایک کنجڑا آپ کے وطن کا ملا تھا اس کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ آپ کے والد بہت یاد فرماتے ہیں اور روز کہتے ہیں کہ ایک بار دیدار دکھائیں، آپ وطن تشریف لے گئے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ آپ کے والد کی رحلت ہوگئی، یہ سن کر آپ

گھر نہ گئے، مسجد میں ٹھہر گئے''۔۔۔(۴۷) انہوں نے لکھا ہے کہ یہاں شاہ صاحب کی بڑی والدہ رہتی تھیں، پھر پورا واقعہ بھائی کے کھانا لانے اور حجام کا وہی ہے جو تذکرہ غوثیہ کے حوالہ سے اوپر گذرا، پھر اذان دینے والے واقعہ کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ وہاں پیش آیا جہاں آپ کی دوسری والدہ رہتی تھیں، وہاں آپ وطن سے گئے تھے، ننہال میں قیام کا جو واقعہ ذکر کیا گیا وہ تذکرہ غوثیہ کے بالکل برعکس ہے، مصنف ریاض الفقر لکھتے ہیں:

''اثناء راہ میں جب نانی صاحبہ کا گھر آیا آپ وہاں تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں ٹھہرے، ماموں صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ کو نہ پہچانا، آپ نے بھی ان سے اپنا کچھ حال ظاہر نہ کیا، نانی صاحبہ بیمار تھی، آپ کے ماموں آپ کو مسافر سمجھ کر روٹی آپ کے واسطے لائے، تب ذکر بیماری کا آیا، آپ نے فرمایا چلو ہم کو بھی دکھلاؤ، انہوں نے اول غیر سمجھ کر انکار کیا، آپ نے فرمایا کہ ضعیفہ ہیں جیسے تمہاری والدہ ویسی ہی ہماری، غرض کہ وہ آپ کو لے گئے، نانی صاحبہ نے دیکھتے ہی پہچان لیا، اور اپنے فرزند سے فرمایا کہ یہ مسافر نہیں یہ تو تمہارا بھانجہ ہے، پھر تو آپ کی بہت خاطر تواضع ماموں صاحب نے کی''۔۔۔(۴۸)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اور ایک مرتبہ آپ والد ماجد کی حیات میں وطن تشریف لے گئے تھے، اور آپ کی منسوبہ بلا نکاح بیٹھی ہوئی تھی، سب نے تقاضہ کیا کہ تمہاری منسوبہ بیٹھی ہے کسی سے نکاح نہیں کرتی، آپ نے انکار کیا اور سید الحسن کے ساتھ شادی کرادی۔

خوش آں کس از و پرسم ایا چوں می زئی خوش دل ❁ بگوید نہ زمیں دارم نہ زر دارم نہ زن دارم

آپ کی والدہ نے کہا اپنے حصہ کی جائیداد لے لو، آپ نے انکار کیا اور کہا معاش درویشاں یہ ہے۔

نان جوین وخرقہ پشمینہ آب شور ❁ سیپارہ کلام و حدیث پیغمبری
ہم نسخہ دو چار ز علمے کہ نافع است ❁ در دیں نہ لغو بوعلی وژاژ عنصری
تاریک کلبۂ کہ پئے روشنی آن ❁ بیہودہ منتے نبرد شمع خاوری
با یک دو آشنا کہ نیرزد بہ نیم جو ❁ درپیش چشم ہمت شاں ملک سنجری
ایں آں سعادت است کہ حسرت برد برآں ❁ جویائے تخت قیصر وملک سکندری

اور وہاں سے چل دئے''۔۔۔(۴۹)

گرچہ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''برسوں سیر وسیاحت میں گذارے، کبھی وطن کا خیال نہ آیا، یاران وطن کے یاد نہ ہوئے۔ کوئی مونس وہمدم جب نہ ملا تو غزال رمیدہ سے انس کیا۔ ہمیں بے وطنی نے مزا یہ دیا کہ ذرا بھی خیال وطن نہ رہا''۔۔۔(۵۰)

شاہ صاحب وطن واسفار سب ملا کر ۸۹ بزرگوں سے مستفید ہوئے۔۔۔(۵۱)

بہر حال اس کے بعد وطن سے واپسی میں شاہ صاحب بنارس اور لکھنؤ میں قیام کرتے ہوئے سنبھل پہنچے، جہاں ان کے شیخ مولانا حبیب اللہ شاہ صاحب کے مریدین سے ان کی ملاقات ہوئی، وہاں چھ مہینے قیام رہا، پھر رامپور پہنچے جہاں ان کے استاد مولانا فضل امام کے فرزند مولانا فضل حق خیر آبادی نے ان کی خوب خاطر کی، ان کے حسب تصریح یہاں دو سال ان کا قیام رہا، وہاں سے میرٹھ میں کچھ دن قیام کر کے بابری آگئے اور وہاں سے سونی پت چلے آئے، جہاں اپنے شیخ میر اعظم علی صاحب کے مزار پر چھ مہینے قیام ومراقبہ کیا۔۔۔(۵۲) وہاں ایک شخص کے ذریعہ کشمیر میں ایک بزرگ کے متعلق اطلاع ملی، ان کی خدمت میں روانہ ہوئے، پانی پت میں چند روز قیام کے ارداہ سے ٹھہرے اور پھر یہی مستقل مستقر بن گیا، سفر کشمیر کی نوبت نہیں آئی، اس کی تفصیل خود صاحب سوانح کی زبان سے سنئے:

''سونی پت سے چل کر ۲۰ شعبان ۱۲۷۸ھ کو پانی پت پہنچے، نو دس دن ماہ صیام میں باقی تھے، دل میں آیا کہ یہ ایام یہیں بسر کریں، رمضان شریف کی پانچویں تاریخ تھی کہ مولوی محب اللہ صاحب اور منشی فضل رسول صاحب کا خط آیا کہ سید احمد صاحب (کشمیری) اس جہان فانی سے رخصت ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ یہ خبر پا کر ہم نے ارادہ ملتوی کیا اور قلندر صاحب کے حجرہ میں رہنے لگے۔ مشیت ایزدی یہی تھی کہ پانی پت میں قیام ہو''۔۔۔(۵۳)

اس کے بعد سے بیس برس تقریباً شاہ صاحبؒ کے یہیں گذرے اس دوران کہیں جانے کا ذکر نہیں ملتا، پانی پت کے وقت قیام شاہ صاحب کی عمر ۶۸ رسال کے درمیان ہوگی۔

مولوی امداد حسین لکھتے ہیں:

''حضرت قبلہ وکعبہ بیسویں ماہ شعبان ۱۲۷۸ھ میں سونی پت سے پانی پت بارادہ تشریف لے جانے کشمیر کے بغرض ملاقات حضرت احمد شاہ صاحب کے تشریف لائے تھے، بوجہ رحلت فرما ہو جانے شاہ صاحب کے ارادہ ملتوی ہوگیا اور پانی پت میں قیام فرمایا، اٹھارہ برس، سات ماہ، چھ یوم پانی پت میں رونق افروز رہے اور اپنی خوش خلقی، خوش مزاجی، فیض رسانی سے باشندگان پانی پت کو محظوظ اور شاد کام رکھا''۔۔۔(۵۴)

افسوس کہ ان کے متوسلین نے ان کے چشم دید حالات اور قیام پانی پت کے واقعات بہت کم بیان کئے ہیں، اس لئے ان کے بیس سالہ آخری زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔

حضرت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کے قریب ان کی خانقاہ کے ایک حجرہ میں آ کر مقیم ہوئے اور وہیں ساری عمر گذار دی۔ ان کے یہ اوقات ذکر وعبادت میں انہماک واہتمام کے ساتھ افادۂ خلق میں گذرے، بزرگوں کے معمول کے مطابق کچھ وقت مریدین کے لئے اور بقیہ اوقات خلوت میں۔ اس طویل عرصہ میں خلق کثیر نے ان سے فائدہ اٹھایا، میرٹھ و پانی پت سے لے کر اس علاقہ کا جو پہلے صوبہ دہلی کہلاتا تھا، بہت بڑا حلقہ آپ کے دامن سے وابستہ تھا۔ ان کے قابل ذکر متوسلین میں اردو کے مشہور مصنف مولانا اسماعیل میرٹھی اور نواب ٹونک نواب وزیر علی خاں، منشی فضل رسول صاحب

میرٹھی قابل ذکر ہیں۔ان کے علاوہ ان کے ممتاز خلفاء میں مولانا یوسف صاحب ــــ (۵۵) اور ان کے جانشین مولانا گل حسن سرحدی ثم پانی پتی ہیں۔

تذکرہ غوثیہ کے اخیر میں مولانا گل حسن سرحدی نے اپنے حالات اور اپنی جانشینی کا بھی ذکر کیا ہے، جب کہ ریاض الفقر میں کسی کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔

فضل وکمال اور اخلاق :

حضرت شاہ صاحب کی سوانح زندگی کا یہ بہت ہی اہم باب ہے جس کے بغیر ان کا تذکرہ نامکمل رہے گا، اور یہی باب درحقیقت ان کے سوانح کی روح ہے، ان کے اخلاق وعادات، فضل وکمال اور حلیہ وبشرہ پر تذکرہ غوثیہ میں بہت اختصار ہے لیکن ریاض الفقر میں بہت تفصیل سے ان کا ذکر ہے، کچھ اہم باتیں سیرت غوثیہ میں بھی ہیں جو مذکورہ بالا کتابوں میں نہیں ہیں، یہاں ہم اختصار کے ساتھ سیرت غوثیہ کے حوالہ سے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

واقف الرحمن صاحب انسپکٹر لکھتے ہیں:

''آپ نے سیکڑوں طریقوں سے ریاضت اور مجاہدے کئے، نو برس کی عمر سے تادم واپسیں علاوہ اوراد ووظائف کے نماز تہجد تک ناغہ نہیں ہوئی، برسوں تمام رات عبادت الٰہی میں مشغول رہے، اور پلک تک نہیں جھپکائی''ــــ (۵۶)

آگے لکھتے ہیں:

''حضرت قبلہ وکعبہ مرشدنا، ہادینا سید محمد غوث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیر مرد، فرد موحد، عارف بے باک، قلندر مشرب، غرق بحر بے پایان توحید وعرفان، مستغرق ذات مستغنی بالصفات، محو جہد وریاضت، منبع شریعت وطریقت تھے، فصاحت وبلاغت، متانت ولطافت میں آپ کا کوئی نظیر نہیں تھا، خوش روئی، خوش خوئی، خوش کلامی آپ کا حصہ خاص تھا، تمام افعال ظاہری وباطنی خالصۃ لوجہ اللہ تھے''ــــ (۵۷)

علم وفضل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضور اقدس کا علم اور فضل اس قدر گہرا اور وسیع تھا، کہ اگر ان کی شان میں یہ کہا جائے تو بالکل زیبا ہے اور مبالغہ سے مبرا ہے:

سر دفتر حلم وحیا، سر منزل علم وضیا ❁ سر چشمہ صدق وصفا، سر حلقہ فقر وفنا
آئینۂ حسن وجمال، گنجینہ کشف وکمال ❁ حضرت وجد وصال، سالار مردان خدا
سر میں حقائق کا سرور، دل میں دقائق کا وفور ❁ لب سے شرائع کا ظہور، دل میں معارف جلوہ زا
کشف آپ کا روشن ضمیر، سیر آپ کی کیواں مسیر ❁ فیض آپ کا ابر مطیر، نطق آپ کا آب بقا

مردم شناسی آپ پر ختم تھی، حاضرین خدمت کے مدعا کا جواب بے عرض وگذارش نقول وروایات، قصص وحکایات کے پردہ میں، تلمیح وکنایات کے پرایہ میں ایسی توضیح وتشریح کے ساتھ ہوتا تھا کہ ہر شخص کامیابی کے مزہ سے خورسند اور تحقیق کے لطف سے بہرہ مند ہوجاتا تھا، ہر بات سے طرح طرح کے معنی اور ہر لفظ سے انواع انواع کے رمز سامعین کی سمجھ میں آتے تھے۔ اولیائے کرام اور انبیاء علیہم السلام کی نقول وحکایات اس قدر یاد تھیں کہ ہر وقت اور ہر موقع پر تمثیلاً فرمائی جاتی تھیں''۔۔۔(۵۸)

مزید اخلاق کے بارے میں لکھتے ہیں:

''عدل وانصاف، رحم والطاف سے ذات اقدس مملو تھی، آپ کی ذات تخلق باخلاق اللہ کی عین مثال تھی۔ جو شخص بھی آپ کی خدمت میں بیعت کے ارادے سے حاضر ہوتا تھا ہمیشہ شریعت کی پابندی کی تلقین ہوتی تھی''۔۔۔(۵۹)

وفات :

حضرت شاہ غوث علی صاحب نے ۲۶ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ مطابق ۷ رمارچ ۱۸۸۰ء میں وفات پائی، انتقال سے ایک ماہ قبل بیمار ہوئے، جو بڑھتی گئی، ریاض الفقر میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے، نیز اس کا مفصل ذکر بھی ہے کہ شاہ صاحب چھ ماہ قبل ہی سے اپنے متوسلین کو اپنی وفات کی طرف اشارہ کررہے تھے۔ مولوی راغب اللہ صاحب نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا۔۔۔(۶۰)، اور پانی پت کے بیرونی حصہ میں مدفون ہوئے، جس کی تعیین خود انہوں نے کی تھی، ان کے خلیفہ مولانا شاہ گل حسن صاحب لکھتے ہیں''ہزار ہا آدمی ہندو مسلمان خاص شہر اور گرد ونواح کے رہنے والے جنازہ شریف کو اٹھانے کے لئے جمع ہوگئے، دو بار نماز پڑھی گئی، مجاوران قلندر صاحب نے بہت شور مچایا کہ ہم حضرت کو اپنی زمین مقبوضہ میں رکھیں گے، لیکن ان کا فتنہ وفساد پیش نہ گیا، جو کچھ وصیت ہوئی تھی اس کی تعمیل کی گئی''۔۔۔(۶۱)

شاہ صاحب نے پوری زندگی زہد وتوکل کے ساتھ گذاری تھی اس لئے خانقاہ حضرت بوعلی قلندر صاحب کے حجرہ میں قیام کے باوجود وہاں دفن ہونا پسند نہ فرمایا اور اپنے دفن کے لئے ایک لاوارث و بنجر زمین کا انتخاب کیا، اب وہ محلہ آپ کے نام پر غوث علی کہلاتا ہے۔

حواشی :

(۱) تذکرہ غوثیہ، ص:۶۔
(۲) ریاض الفقر معروف بہ دفتر حقیقت حافظ امداد حسین، ص:۳۸، ۳۹۔
(۳) گل رعنا، ص:۴۸۱ طبع اول، اعظم گڑھ۔
(۴) تذکرہ غوثیہ، ص:۲۲ وریاض الفقر، ص:۵۶۔
(۵) ملاحظہ ہو، پہلا گلزار، ص:۵۷۔
(۶) تذکرہ غوثیہ، ص:۱۰۔
(۷) تذکرہ غوثیہ، ص:۱۱۔
(۸) تذکرہ غوثیہ، ص:۱۳۔
(۹) ریاض الفقر، ص:۶۶۔
(۱۰) تذکرہ غوثیہ، ص:۱۳۔
(۱۱) تذکرہ غوثیہ، ص:۹۔
(۱۲) ریاض الفقر، ص:۵۷۔

(۱۳) ملاحظہ ہو تذکرہ غوثیہ ص:۵۱ ور یاض الفقر ص:۶۵۔
(۱۴) تذکرہ غوثیہ ص:۳۰۔
(۱۵) ریاض الفقر ص:۶۵۔
(۱۶) تذکرہ غوثیہ ص:۶۵۔
(۱۷) تذکرہ غوثیہ ص:۱۳۔
(۱۸) تذکرہ غوثیہ ص:۴۱۰۔
(۱۹) تذکرہ غوثیہ ص:۱۲۔
(۲۰) دیکھئے ریاض الفقر ص:۶۴ و تذکرہ غوثیہ ص:۱۷۔
(۲۱) تذکرہ غوثیہ ص:۱۲۹۔
(۲۲) تذکرہ غوثیہ ص:۱۹، ریاض الفقر ص:۶۸۔
(۲۳) تذکرہ غوثیہ ص:۲۰، ریاض الفقر ص:۷۰۔
(۲۴) تذکرہ غوثیہ ص:۲۲۔
(۲۵) تذکرہ غوثیہ ص:۱۲۹۔
(۲۶) تذکرہ غوثیہ ص:۳۴۔
(۲۷) ریاض الفقر ص:۷۲۔
(۲۸) حوالہ سابق ص:۱۷۔
(۲۹) تذکرہ غوثیہ ص:۲۱۔
(۳۰) تذکرہ غوثیہ ص:۴۱۱۔
(۳۱) تذکرہ غوثیہ ص:۱۰۷۔
(۳۲) ریاض الفقر ص:۷۱۔
(۳۳) دونوں سوانح میں جا بجا اس کا ذکر موجود ہے۔
(۳۴) تذکرہ غوثیہ ص:۲۲۔
(۳۵) تذکرہ غوثیہ ص:۲۴۔
(۳۶) ریاض الفقر ص:۸۸۔
(۳۷) حوالہ سابق ص:۸۰۔
(۳۸) سیرت غوثیہ ص:۲۱۔
(۳۹) تذکرہ غوثیہ ص:۹۳۔
(۴۰) تذکرہ غوثیہ، از ص:۹۴ تا ۱۱۶۔
(۴۱) تذکرہ غوثیہ ص:۱۱۸۔
(۴۲) تذکرہ غوثیہ ص:۱۹۔
(۴۳) حوالہ سابق ص:۱۲۲ سے ۱۲۹ تک۔
(۴۴) حوالہ سابق ص ۱۳۰۔
(۴۵) حوالہ سابق۔
(۴۶) حوالہ سابق، ان کے وطن کی جس قدیم مسجد کا اس میں ذکر آیا ہے، اب مسجد غوثیہ کے نام سے اس کی تجدید ہوئی ہے، مولانا سید محمد ندوی استھانوی کے نواسے ارجمند صاحب اپنے نانا کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں کہ ان سے انہوں نے سنا تھا کہ وہی مسجد تھی، نیز شاعر وطن جناب رونق استھانوی ان کے ذکر کے بعد اس کے گھر کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ان کا نام لیوا ویران مکان اب تک استھانواں میں موجود ہے''۔۔۔(مثنوی یاد وطن)
(۴۷) ریاض الفقر ص:۱۸۰۔
(۴۸) ریاض الفقر ص:۱۸۱۔
(۴۹) ریاض الفقر ص:۱۸۲۔
(۵۰) ص:۱۵۹۔
(۵۱) ریاض الفقر ص:۱۶۱، و سیرت غوثیہ ص:۲۲۔
(۵۲) تذکرہ غوثیہ ص:۱۳۰ تا ۱۴۵۔
(۵۳) تذکرہ غوثیہ ص:۱۴۶۔
(۵۴) ریاض الفقر ص:۱۵۴ پہلا گلزار۔
(۵۵) سیرت غوثیہ ص:۲۶۔
(۵۶) سیرت غوثیہ ص:۲۲۔
(۵۷) سیرت غوثیہ ص:۲۲۔
(۵۸) سیرت غوثیہ ص:۲۳۔
(۵۹) سیرت غوثیہ ص:۲۴۔
(۶۰) ریاض الفقر ص:۱۲۲۔
(۶۱) تذکرہ غوثیہ ص:۴۹۴۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

دوسری قسط

مرا چون گذر بر عراق اوفتاد
(سفرنامۂ عراق)

● پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید ـــ ڈائریکٹر، مرکز تحقیقات فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

قارئین کرام!
''المجیب'' کے گذشتہ شمارے میں شائع اس سفرنامے کی پہلی قسط میں آپ نے عراق کی اجمالی تاریخ، مختصر جغرافیائی حالات، اس خطے کی صدیوں پر محیط سیاسی نشیب وفراز اور تہذیب وفرہنگ کی داستان، سرخیل اولیاء حضرت سیدنا غوث الثقلین، غوث الاعظم، پیر پیراں، سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور ان کے دو صاحبزادوں کے یہاں حاضری کی روئیداد ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ دوسری قسط میں آگے کی تفصیلات ہدیۂ قارئین ہیں ـــ (ادارہ)

۱۴؍جولائی ۲۰۱۹ء یکشنبہ کو ہم لوگ ناشتے سے فارغ ہو کر ہوٹل سے جلد نکل پڑے کیوں کہ بہت سی جگہوں پر حاضری کا پروگرام تھا۔ چنانچہ منی بس سے ہم لوگ روانہ ہو کر سب سے پہلے حضرت امام غزالی سے منسوب زیارت گاہ پر حاضر ہوئے۔

حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزّالی طوسی قدس سرہ :

امام ابو حامد زین الدین محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی قدس اللہ سرہ کی ولادت باسعادت ۴۵۰ھ یا ۴۵۱ھ میں ایالت خراسان کے طوس میں ہوئی۔ امام غزالی نے طوس اور نیشاپور میں تحصیل وتکمیل علوم کیا۔ عہد طفلی سے ہی ذہانت وفطانت کے آثار ہویدا تھے۔ ابتدا میں امام غزالی نے احمد اردکانی اور اس کے بعد امام ابونصر اسمٰعیلی جرجانی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور پھر نیشاپور گئے جو علمائے خراسان کا مرکز تھا اور وہاں امام الحرمین ابوالمعالی جوینی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر نہایت جوش و خروش کے ساتھ اکتساب علم کیا۔ ابھی امام غزالی کا سن اٹھائیس کا بھی نہ ہوا تھا کہ تمام علوم وفنون متداولہ مثلاً ادبیات، فقہ، اصول، حدیث، روایت، کلام، جدل وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ نیشاپور میں امام غزالی کی ملاقات نظام الملک طوسی سے ہوئی

اور نظام الملک کے دربار سے وابستہ افاضل واعالم سے متعدد مناظرہ ومجادلہ ہوا اور امام غزالی سب پر غالب رہے۔ نظام الملک نے پہلے ہی امام غزالی کے علم وفضل وکمال کا ذکر سن رکھا تھا چنانچہ اس کی بارگاہ میں امام غزالی کو قبولیت تام حاصل ہوئی۔ مہاجرت نیشاپور کے سات سال کے بعد امام غزالی کو مدرسہ نظامیہ بغداد کی تدریس کی خدمت سپرد ہوئی اور وہ ۴۸۴ھ میں بغداد آئے۔ چار سال تک بغداد میں درس وتدریس، وعظ وتذکیر، تصنیف وتالیف اور مناظرہ وجدال میں مشغول رہے۔ لیکن ۴۸۸ھ کے اواخر میں ان میں ایک روحانی انقلاب برپا ہوا اور انہوں نے مدرسہ نظامیہ بغداد کی تدریس ترک کر کے شام، بیت المقدس اور حجاز مقدس کا سفر اختیار کیا۔ دس سال کی مدت کے اس طولانی سفر کے بعد امام غزالی اپنے وطن طوس لوٹے اور ایک سال تک انزوا میں بسر کرنے کے بعد پھر ایک سال کی مدت تک مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں مسند درس پر متمکن رہے۔ بالآخر دوبارہ اس خدمت کو ترک کر کے اپنے وطن مالوف طوس لوٹے اور وہاں ایک خانقاہ قائم کر کے عبادت وریاضت میں مشغول ہوئے۔ یہاں تک کہ ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء میں وصال فرمایا اور اپنی خانقاہ واقع بہ طابران، طوس میں مدفون ہوئے۔

علمائے تحققین نے بالوضوح امام غزالی کے مدفن کے طوس میں واقع ہونے کی بات لکھی ہے ایسے میں عراق کے بغداد میں ان کی مرقد کی موجودگی کا دعویٰ باطل نظر آتا ہے۔ جب ۴۸۸ھ کے بعد امام غزالی بغداد گئے ہی نہیں تو ۵۰۵ھ میں وہاں ان کا وصال کیسے ہوا اور پھر مرقد کیسے بنی؟ یہ ایک سوال ہے۔ لیکن بغداد میں منسوب مرقد کے داخلی دروازہ پر جو بورڈ لگا ہے اس کی عبارت درج ذیل ہے:

"مرقد الامام محمد ابو الحامد الغزالی تولد ۴۵۰ھ ۱۰۵۹ء سنة الوفاة ۵۰۵ھ ۱۱۱۱ء مرجد البناء ۱۹۸۵ء"۔

بہرحال یہ تو متیقن ہوجاتا ہے کہ بغداد میں موجود امام غزالی کا مقام مرقد مجعول وموضوع اور غیر واقعی ہے۔

مرقد موضوعہ امام غزالی سے نکل کر ہم لوگ حضرت ابوبکر شبلی قدس اللہ سرہ کے آستانہ پر پہنچے جو ایک عام قبرستان میں واقع ہے۔ قبرستان کا صدر دروازہ مقفل تھا۔ ہم لوگ باہر کھڑے تھے کہ دیوار پر منصوب ایک حجری کتبہ پر نظر پڑی جس پر یہ عبارت مرقوم تھی:

"الله بسم الله الرحمن الرحيم اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ صدق الله العظيم۔ هنا مرقد قطب العارفين و ولی الصالحين الشيخ العارف بالله ابوبكر دلف بن جعفر بن يونس الشبلی خراسانی الأصل ولد فی سامراء عام ۲۴۷ھ و عاش فی بغداد و كان تلميذاً مجتهداً عند الشيخ جنيد البغدادی (قدس سره) توفی فی بغداد شهر ذی الحجه عام ۳۳۴ھ۔"

اسی درمیان قبرستان کا صدر دروازہ کھل گیا اور ہم لوگ اندر داخل ہوئے۔ کثرت مقابر کی وجہ سے قبرستان میں چلنے پھرنے کی جگہ کا بہت فقدان تھا۔ حضرت ابوبکر شبلی کی مرقد مبارک ایک مزین حجرے میں ہے اور اس میں داخل ہونے کا راستہ

چھت کے اوپر سے ہے۔ چنانچہ ہم لوگ پہلے زینے کے راستے حجرہ کی چھت پر پہنچے جس پر لوہے کی گریل کے سہ طرفی گھیرے میں ایک سبز رنگ کا گنبد تعمیر تھا اور وہاں ایک حجری کتبہ نصب تھا جس پر کچھ یوں تحریر تھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ صدق اللہ العظیم قام دیوان الوقف السنی دائرۃ الشئوون العراقیۃ قسم المشاریع بأعمال صیانہ شاملہ لمرقد الشیخ الجلیل أبوبکر الشبلی رحمہ اللہ۔ سنۃ الصیانہ ۲۰۱۳م ۱۴۳۴ھ۔"

بہر حال چھت سے چڑھ کر ہم لوگ دوسرے زینے سے نیچے اترے تو سامنے حجرہ میں داخلہ کا دروازہ تھا۔ اسی سے روضے میں داخل ہوئے۔ جالی کے اندر موجود مزار مبارک پر سبز رنگ کا غلاف تھا جس پر "حضرت سیدی الشیخ ابوبکر شبلی رضی اللہ عنہ" سنہرے جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

حضرت شیخ ابوبکر شبلی قدس اللہ سرہ :

حضرت شیخ ابوبکر شبلی صوفیہ کے چوتھے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ نفحات الانس کے مطابق ان کا نام جعفر بن یونس ہے اور بعض لوگوں نے دلف بن جعفر اور بعض نے دلف بن جحدر لکھا ہے جب کہ او پر منقول حجری کتبے میں دلف بن جعفر بن یونس مرقوم ہے۔ ابوبکر شبلی ایک جلیل القدر مالکی المذہب صوفی تھے جو ایک روایت کے اعتبار سے بغداد اور دوسری روایت کے اعتبار سے سامراء میں ۲۴۷ھ مطابق ۸۶۱ء میں متولد ہوئے اور ۸۷ سال کی طویل عمر پا کر ۳۳۴ھ مطابق ۹۴۶ء میں بغداد میں رحلت فرمائی اور خیزران کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ حضرت ابوبکر شبلی ایک سرکاری ملازم اور مقام دیناوند کے والی تھے۔ وہ خلیفہ الموفق عباسی کے حاجب بھی رہے۔ ان کے والد بھی حاجب الحجاب تھے۔ چالیس سال کر عمر میں ابوبکر شبلی نے ترک ملازمت کر کے حضرت جنید بغدادی کے دوست خیر نساج کی مجلس میں تائب ہو کر حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ کی شاگردی اور عرفان وتصوف کی زندگی اختیار کی۔ حضرت جنید بغدادی کے علاوہ انہوں نے دوسرے مشائخ سے بھی کسب فیض کیا۔ وہ مسلک مالکی کے سربرآوردہ عالم وفقیہ تھے۔ لیکن ان کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ان کے اقوال واشارات، شطح پر مستند مجموعوں میں ملتے ہیں۔ طبقات الصوفیہ کے مطابق ابوعبداللہ الرازی کا قول ہے کہ مشائخ عراق کہا کرتے تھے کہ اقلیم تصوف میں تین عجائب بغداد ہیں، اشارات شبلی، نکت مرتعش اور حکایات جعفر الخلدی۔ حضرت جنید بغدادی شبلی کے متعلق فرماتے تھے کہ انہیں اس نگاہ سے نہ دیکھو جس نگاہ سے تم ایک دوسرے کو دیکھتے ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عیون میں سے ایک عین ہیں۔ حضرت جنید کے الفاظ میں لا تنظروا ابی بکر الشبلی بالعین التی تنظر بعضکم الی بعض فانہ عین من عیون اللہ تعالیٰ جنید بغدادی کا یہ قول ابوبکر شبلی کے مواجہہ کی طرف والی دیوار میں پتھر پر کندہ کیا ہوا نصب ہے۔ حضرت جنید بغدادی شبلی کے متعلق یہ بھی فرماتے تھے کہ ہر قوم کا ایک تاج ہوتا ہے اور اس قوم کا تاج شبلی ہیں، لکل قوم تاج وتاج ھذا القوم الشبلی۔

حضرت بشر بن الحارث بن عبدالرحمن حافی قدس اللہ سرہ :

حضرت ابوبکر شبلی کے آستانہ پر حاضری کے بعد ہم لوگ وہیں سے حضرت بشر حافی قدس اللہ سرہ کے آستانے پر حاضری کے لیے پاپیادہ روانہ ہوئے۔ تمازت آفتاب اپنے شباب پر تھی اور فاصلہ بھی اچھا خاصا تھا۔ بہر حال ہم لوگ چلتے چلتے کچھ دیر کے بعد ایک عمارت کے پاس پہنچے جو مرقد بشر حافی اور مسجد پر مشتمل تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہونے پر بائیں جانب ایک حجرے میں بشر حافی کا مزار مبارک زیارت گاہ انام ہے اور اس سے متصل ایک دوسری عمارت مسجد کی ہے جو مرصع ومزین تھی۔ حجرۂ مرقد کے دروازے پر ایک حجری کتبہ نصب ہے جس پر یہ تحریر کندہ ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ صدق اللہ العظیم ھذا مرقد الأمام السید ابونصر بشر بن الحارث بن عبدالرحمن المروزی ثم البغدادی الشھور باسم بشر الحافی ولد سنۃ ۱۵۰ھ و توفی سنۃ ۲۲۷ھ و من اصحابہ الشیخ معروف الکرخی و احمد بن حنبل و فتح الوصیلی والسر السقطی رضی اللہ عنھم وارضاھم"۔

حضرت بشر بن الحارث حافی طبقہ اولی کے جلیل القدر صوفیہ میں ہیں۔ طبقات صوفیہ کے مطابق ان کا نام بشر بن الحارث بن عبدالرحمن بن عطاء بن ہلال بن ماہان بن عبداللہ المعروف بہ حافی تھا، ۱۵۰ھ میں مرو کے ایک گاؤں کرد آباد میں ولادت ہوئی۔ علم ظاہر اور حدیث اور زہد وورع واتقاء میں امام تھے۔ حضرت فضیل بن عیاض قدس سرہ کی مصاحبت سے فیض پایا۔ ان کو لوگ امام احمد بن حنبل پر فوقیت دیتے تھے یہاں تک کہ جب قرآن کو مخلوق کہنے کے فتنے نے سر اٹھایا تو بشر حافی گوشہ نشین ہو گئے۔ جب لوگوں نے اصرار کیا کہ باہر نکلئے اور دین واہل سنت کے لیے آواز اٹھائیے تو انہوں نے کہا کہ احمد بن حنبل جو اس سلسلے میں کر سکتے ہیں افسوس میں نہیں کر سکتا۔ محرم ۲۲۷ھ میں بغداد میں امام احمد بن حنبل سے بہت پہلے وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

چونکہ ہمیشہ برہنہ پا رہتے تھے اس لیے حافی مشہور ہوئے اور جب بشر حافی سے ننگے پاؤں رہنے کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ چونکہ توبہ کے وقت ننگے پاؤں تھا اس لیے اب مجھے جوتا پہننے میں شرم آتی ہے۔

مشہور ہے کہ بشر حافی نے امام کاظم علیہ السلام کی باتوں سے متاثر ہو کر انابت کی طرف رجوع کیا اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ لہو ولعب میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام کاظم علیہ السلام ان کے گھر کے قریب سے گزرے تو اس وقت اندر سے ناچ گانے کی آواز آ رہی تھی۔ اسی وقت بشر حافی کی کنیز باہر نکلی تو حضرت امام نے اس سے پوچھا کہ اس گھر کا مالک آزاد ہے یا غلام؟ کنیز نے جواب دیا، آزاد۔ حضرت نے فرمایا تم ٹھیک کہتی ہو کیوں کہ اگر یہ غلام ہوتا تو اپنے مالک (یعنی حق تعالیٰ) سے ڈرتا۔ جب کنیز اندر گئی تو اس نے بشر حافی کو واقعہ سنایا۔ حضرت امام کا کلام سن کر بشر حافی بے قراری میں ننگے پاؤں گھر سے باہر نکل پڑے اور حضرت امام کو تلاش کرتے ہوئے ان کی بارگاہ میں پہنچے اور فسق وفجور سے توبہ کی۔

بشر حافی نے بغداد میں مشہور ائمہ شریک وحماد بن زید سے حدیث کی سماعت کی۔ زہد وتقوی اور ریاضت میں لاثانی تھے۔ آپ کو تمام ائمہ حدیث نے ثقہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابوالحسین نوری قدس اللہ سرہ :

حضرت بشر حافی کے آستانہ سے نکل کر ہم لوگ پیدل ہی حضرت ابوالحسین نوری کے روضہ کی طرف چلے جو گلی در گلی واقع تھا۔ ابوالحسین نوری طبقہ ثانی کے صوفیہ مشاہیر میں ہیں ان کا اصل نام احمد بن محمد تھا اور ابن البغوی سے مشہور تھے۔ ان کے والد ہرات ومرو کے درمیان واقع شہر بغ شور کے رہنے والے تھے۔ ابوالحسین نوری بغداد میں متولد ہوئے اور وہیں زندگی گزاری۔ ۲۹۵ھ مطابق ۹۰۷ھ میں حضرت جنید بغدادی سے تین چار سال قبل بغداد میں ہی وفات پائی۔ عبادت وریاضت میں بڑے اعلیٰ مقام پر فائز تھے چنانچہ اہل عراق انہیں اور جنید بغدادی کو طاؤس العباد کہتے تھے۔ مشائخ بغداد کے حلقے میں انہیں صاحب الوفاء بھی کہا جاتا تھا۔ ابوالحسین نوری نے سری سقطی، محمد بن علی قصاب اور احمد ابی الحواری کی صحبتوں سے فیض پایا تھا اور ذوالنون مصری کی زیارت کی تھی۔ وہ جنید بغدادی کے معاصر اور دوست تھے لیکن طے مقامات میں جنید بغدادی سے تیز تر تھے اور وہ جنید بغدادی کی زندگی میں شور ووجدان کا باعث تھے۔ چنانچہ جب ابوالحسین نوری کا انتقال ہوا تو جنید بغدادی نے فرمایا: ذهب نصف هذا العلم بموت النوری۔ ابوالحسین نوری کو اپنے معاصر صوفیہ میں ممتاز و برگزیدہ مقام حاصل تھا اور انہوں نے سلوک وعرفان میں نئی راہ کھولی اسی وجہ سے بعد میں ان کے متبعین اور پیروان ''نوریہ'' کہلائے۔ چنانچہ ہجویری نے کشف المحجوب میں شیخ ابوالحسین کے ذکر کے ضمن میں لکھا ہے کہ تصوف میں ان کا مخصوص مذہب ہے اور متصوفہ میں وہ گروہ جوان سے عقیدت ومحبت رکھتا ہے انہیں نوری کہتے ہیں۔

جب ہم لوگ ابوالحسین نوری کے یہاں پہنچے تو آستانے کے باہری دیوار پر ایک کتبہ نصب تھا جس پر مرقوم تھا:

''بسم الله الرحمن الرحيم اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔الشيخ ابوالحسين نوری ... ۲۹۵ھ ...۹۰۷م۔ الامام الزاهد الشيخ الصالح ابوالحسين احمد بن محمد البغوی النوری شيخ الصوفيه فی وقته كان مشهوراً بكثرة الاجتهاد و حسن العبادة ولد فی بغداد و بها نشأ و اصله من خراسان وكان قديما يعرف بالبغوی لأن اجداده من ناحية (بغ)''۔

جب کہ حجرہ مرقد کے اندر مواجہہ والی دیوار کے مقابل والی دیوار میں ایک بڑا حجری کتبہ نصب تھا۔ پہلے اس کتبے میں موجود اطلاع کا ملخص ہدیہ قارئین ہے۔

نام ونسب :

الامام الزاہد الشیخ الصالح ابوالحسین احمد بن البغوی النوری اپنے زمانے کے صوفیہ کے شیخ تھے۔ آپ کثرت مجاہدہ

اور حسن عبادت میں شہرت رکھتے تھے۔آپ کی پیدائش اور پرورش و پرداخت بغداد میں ہوئی حالانکہ آپ کا اصلی وطن خراسان ہے۔آپ بغوی کے عرف سے معروف تھے کیوں کہ آپ کے آباء واجداد بغ کے رہنے والے تھے۔

علم :

جنید بغدادی رضی اللہ عنہ آپ کی عظمت شان کے معترف تھے۔ پورے عراق میں آپ صوفیہ کے احوال وکوائف کے سب سے بڑے عالم تھے۔آپ نے سری سقطی سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔ابوا حمد المغاربی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ابوالحسین سے بڑھ کر اللہ کی عبادت کرنے والا اور مطیع وفرماں بردار کسی کو نہیں دیکھا۔لوگوں نے پوچھا کیا جنید کو بھی؟ فرمایا ہاں جنید کو بھی۔

وفات :

زیتونہ کا بیان ہے کہ ابوالحسین نوری نے میرا ہاتھ پکڑ کر یہ کہا کہ کہو کہ اللہ اپنے اولیا کو میلا نہیں کرتا۔جب کہ ابونصر سراج کا بیان ہے کہ نوری نے کسی سے یہ شعر سنا کہ ”تو ہمیشہ عشق ومحبت کی ایسی وادی میں اترے جہاں عقل وخرد متحیر و حیران رہیں۔“ یہ سن کر ابوالحسین نوری پر وجد طاری ہوگیا اور آپ برہنہ پا صحرا اور ویرانے کی طرف چل دیئے۔راستہ میں ایک بسواڑی تھی جس کا بانس کاٹ لیا گیا تھا اور جڑیں تلوار کی طرح باقی تھیں۔آپ وجد وسرمستی میں انہی جڑوں پر چل چل کر یہ شعر دہراتے رہے اور پاؤں لہولہان ہوتے رہے۔یہی کیفیت صبح تک طاری رہی، یہاں تک کہ آپ بیہوش ہوگئے اور پاؤں بری طرح مجروح ہوگئے اور یہی سبب آپ کے وصال کا بنا۔

ابوالحسین القناد کا قول ہے کہ حضرت نوری کی وفات ۲۹۵ھ میں ہوئی اور جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت شبلی رحمہ اللہ نے بہ آواز بلند یہ اعلان کیا کہ اب منبروں کو ڈھا دو کیوں کہ زمین سے علم اٹھالیا گیا۔آپ کے جسد خاکی کو خیزران میں سپرد خاک کیا گیا۔آپ کی وفات کے تین سال بعد حضرت جنید کی وفات ہوئی۔حضرت جنید نے یہ وصیت کی تھی کہ انہیں ابوالحسین نوری کے پہلو میں دفن کیا جائے جس پر عمل نہیں کیا گیا۔

کتبۂ مذکورہ بالا کی اصل عبارت درج ذیل ہے:

”اسمه و نسبه: الشيخ ابوالحسين نوری الامام الزاهد الشيخ الصالح ابوالحسين احمد بن محمد البغوی النوری شيخ الصوفيه فی وقته كان مشهوراً بكثرة الاجتهاد و حسن العبادة ولد فی بغداد و بها نشأ و اصله من خراسان وكان قديماً يعرف بالبغوی لأن اجداده من ناحية (بغ)۔

علمه و كان الجنيد البغدادی يعظم شانه و كان اعلم اهل العراق بلطائف علم القوم يعنی الصوفيه۔ وروی حديثاً نبوياً واحداً عن سری السقطی وكان ابواحمد المغاربی يقول ما

رأیت اعبد ولا اطوع لله من ابی الحسین النوری۔ قیل له: ولا جنید قال: ولا جنید۔

وفات قال زیتونة: فأخذ النوری وقال: قولی ماٰ اوضر اولیاء ك ۔ وقال ابونصر السراج: ان النوری سمع هذا البیت:

ولا زلت انزل من وادك منزلا

تتحیر الالباب عند نزوله

فتواجد النوری وهاٰم فی البراری والقفار فوقع فی اجمعة قصب قد قطعت وبقی اصوله مثل السیوف فکان یمشی علیها ویعید بیت الشعر الیٰ الغداة والدم یسیل من رجلیه ثم وقع مثل السکران فورمت قد ماه فماٰت۔ قال ابوالحسین القناد مات ابوالحسین النوری سنة خمس و تسعین و مأتین۔ فلما حملت جنازته نادیٰ الشبلی خلفه بأعلی صوته "اضربوا علی الارض المنابر فقد رفع العلم من الارض۔" و دفن فی مقبرة الخیزران و توفی الجنید بعده بثلاث سنوات وکان الجنید اوصی اصحابه ان یدفنوه عند بجنب ابی الحسین النوری فلم یفعلوا۔

التاریخ للخطیب / ۱۳۰/ والمنتظم ۱/۷۷ والبدایة والنهایة ۱۱/۱۰۶۸ والاثار البلاد و اخبار العباد ۳۶۹"۔

حضرت ابوالحسین نوری کے آستانہ سے نکل کر رفقائے سفر نے ٹھنڈے مشروب کا لطف لیا پھر ہم لوگ وہاں سے پیدل قریب ہی واقع حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مرقد مبارک کی زیارت کے لیے چل پڑے اور دس پندرہ منٹ میں ہم لوگ امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان یونیورسٹی کے بہترین اور شاندار کیمپس میں پہنچ گئے۔ پرشکوہ داخلی دروازے کے اوپر بلندی پر اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۵۶ کا سبز خط میں بورڈ لگا ہوا تھا اور اس کے نیچے نہایت خوبصورت خطاطی میں اَلرَّحْمٰنُ ۙ۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۴ کا قاب آویزاں تھا۔ دروازے کے دائیں جانب سورۂ رحمن کی مذکورہ بالا آیت کے برابر کلمہ طیبہ کا جزو اول اور بائیں طرف جزو ثانی مرقوم تھا۔ صدر دروازے کے ہر دو طرف سیاہ قاب میں نعت نبوی کے یہ اشعار جلب توجہ کر رہے تھے:

بأبی و امی انت یا خیر الوری ❁ والصلوة ربی والسلام معطرا

یا خاتم الرسل الکرام محمد ❁ بالوحی والقرآن کنت مطهرا

لك یا رسول الله صدق محبة ❁ وبفیضها شهد اللسان و عبّرا

لك یا رسول الله صدق محبة ❁ فاتت محبة من علی وجه الثری

لك یا رسول الله صدق محبة ❁ لا تنتهی ابدا ولن تتغیرا

صلی علیه الله فی ملکوته ❁ ما قام عبد فی الصلوة و کبرا

ہم لوگ صدر دروازے سے داخل ہونے کے بعد نہایت وسیع وعریض مسجد میں داخل ہوئے اور وہاں سے بائیں

طرف چل کر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مرقد مبارک والے حجرے میں داخل ہوئے۔نہایت خوبصورت، شاندار مزین اور خوبصورت مینا کاری سے آراستہ چھت والے حجرے میں قیمتی چوبی جالی میں حضرت امام اعظم کا مزار مبارک مرجع انام ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ :

حضرت امام اعظم النعمان بن ثابت ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء میں متولد ہوئے اور ۷۰ سال کی عمر پا کر ۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ء میں بحالت اسیری وصال فرمایا اور خیزران کے مقبرے کے مشرقی حصہ میں مدفون ہوئے۔امام اعظم کی مرقد پر ۴۵۹ھ میں قبہ تعمیر کیا گیا اور جس محلہ میں ان کا مزار مرجع خلائق ہے وہ ان کے نام پر اعظمیہ کہلاتا ہے۔امام ابوحنیفہ کے دادا جن کا اسلامی نام غالباً نعمان تھا، کابل کے رہنے والے تھے۔ان کی کنیت ابوحنیفہ حقیقی نہیں ہے بلکہ وصفی معنی کے اعتبار سے ہے،یعنی ابو الملة الحنيفة۔امام اعظم کوفہ میں ایک قسم کا ریشمی کپڑا خز بناتے اور اس کی تجارت کرتے تھے۔حضرت امام اعظم تابعین میں سے تھے اور ابن سعد نے انہیں تابعین کے طبقۂ پنجم میں شمار کیا ہے۔انہوں نے مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک کو دیکھا تھا اور عبداللہ بن ابی اوفی، سہل بن سعد اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ کا زمانہ پایا تھا۔اپنے استاد حماد کی وفات کے بعد کوفہ میں وہ فقہ اسلام کی سب سے ممتاز سند اور کوفی مکتب فقہ کے سب سے بڑے نمائندہ تھے۔خلیفہ نے انہیں قاضی بنانا چاہا لیکن وہ کسی صورت آمادہ نہ ہوئے نتیجتاً ۱۴۶ھ میں منصور نے انہیں قید میں ڈال دیا۔امام اعظم کے علم کی طرح ان کی ذہانت اور طباعی بھی ضرب المثل تھی۔امام ابوحنیفہ نے بارہ لاکھ نوے ہزار سے زیادہ فقہی مسائل مدون کیے۔

حضرت امام اعظم کی مرقد مبارک پر ہم لوگوں نے بہت اطمینان سے حاضری دی۔مواجہہ میں حاضری کے دوران ضریح کے مجاور نے حضرت امام ابوحنیفہ کے مزار مبارک کی چادر لا کر حضرت مرشدی مولانا شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ کو پیش کی۔ پھر بعد میں میری طلب پر مجھے بھی ایک چادر تبرکاً حاصل ہوئی۔جب ہم لوگ وہاں سے نکلنے لگے تو ظہر کی اذان ہوگئی، ہم لوگوں نے سوچا کہ ظہر پڑھ کر یہاں سے نکلیں چنانچہ ہم لوگ روضہ امام اعظم کی نہایت شاندار، وسیع وعریض، مزین ومرصع مسجد جامع میں ادائے نماز ظہر کے لیے گئے۔مسجد نہایت پرشکوہ اور فن معماری کا بہترین نمونہ اور امام اعظم کے شایان شان ہے۔ ۱۲:۴۵ بجے جماعت کا وقت تھا۔ہم لوگ سنتوں سے فارغ ہو کر جماعت کا انتظار کرتے رہے۔ٹھیک وقت پر ایک جوان عمر امام کی اقتداء میں حنفی طریقہ پر نماز ادا کی گئی۔پھر ہم لوگ وہاں سے نکل آئے۔امام اعظم ابوحنیفہ کے روضے اور مسجد کا انتظام چونکہ امام اعظم یونیورسٹی جو اسی حلقے میں واقع ہے کے ذریعہ ہوتا ہے اس لیے وہاں کے انتظامات اور رکھ رکھاؤ نہایت شاندار اور عالیشان ہے۔اللھم زد فزد

دھوپ کی تمازت اور گرمی کی شدت اپنے شباب پر تھی۔ہم لوگ وہاں سے نکل کر بذریعہ بس حضرت ذوالنون مصری سے منسوب آستانے پر حاضری کے لیے روانہ ہوگئے اور مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے ایک گھر کے باہر جا رکے اور اس گھر

کے دروازے پر دستک دی گئی۔ دروازہ کھلا تو ہم لوگ اندر داخل ہوئے اسی گھر کے اندر ایک حجرہ میں حضرت ذوالنون مصری سے منسوب مزار واقع ہے جو موضوع اور خلاف حقیقت ہے کیوں کہ حضرت ذوالنون مصری کا وصال ۲۴۶ھ میں مصر میں ہوا تھا اور مزار مبارک قاہرہ میں مرجع انام ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ :

ابوالفیض ثوبان بن ابراہیم المصری طبقہ اول کی آخری صف کے صوفی ہیں جن کی ولادت باسعادت ۱۸۰ھ مطابق ۷۹۶ء میں مصر کے اخمیم میں ہوئی تھی۔ آپ سلطان معرفت اور بحر توحید کے شناور تھے اور عبادت و ریاضت میں مشہور زمانہ ہوئے۔ ذوالنون کے والد نوبیہ کے رہنے والے تھے اور مشہور ہے کہ ذوالنون ایک آزاد شدہ غلام تھے۔ طبقات صوفیہ کے مطابق ذوالنون، مالک بن انس کے شاگرد تھے اور ان کے مذہب پر عامل تھے اور ان سے موطا کی سماعت کی تھی اور فقہ پڑھی تھی۔ خواجہ عبداللہ انصاری نے اپنی طبقات صوفیہ میں انہیں سید، امام وقت، یگانۂ روزگار اور گروہ صوفیہ کا راز قرار دیا ہے۔ ذوالنون سب سے پہلے صوفی ہیں جنہوں نے اسرار تصوف کو بیان کیا جب کہ ان سے قبل بھی مشائخ تھے اور ابو ہاشم کوفی سب سے پہلے صوفی کہے گئے، جنید بغدادی نے علم تصوف کو مرتب کیا اور شبلی نے اسے علی الاعلان منبر تک پہنچایا۔ ذوالنون مصری نے ۲۴۵ھ یا ۲۴۸ھ میں وصال فرمایا۔ آخر عمر میں ذوالنون مصری کو بغداد میں قید میں ڈالا گیا لیکن خلیفہ المتوکل کے حکم سے رہا ہوئے اور مصر واپس چلے گئے اور وہیں وصال فرمایا اور قاہرہ میں مدفون ہوئے۔ ذوالنون رئیس الصوفیہ کہلاتے ہیں۔ وہ ایک شیخ طریقت تھے جن کی زندگی میں بہت سے لوگ ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ وہ ایک باعمل صوفی تھے انہوں نے بالتفصیل بتایا ہے کہ روح کو منزل مقصود کی طرف بلند پروازی میں کیا مراحل پیش آتے ہیں۔ نیز انہوں نے فنافی اللہ ہو کر زندگی بسر کرنے کے صوفیانہ تصور کو بالتصریح بیان کیا ہے۔ مشہور ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو اس وقت دھوپ بہت تیز تھی۔ چنانچہ غیب سے پرندوں کا جھنڈ ظاہر ہوا جس نے جنازے پر سایہ کر دیا۔ جب ان کا جنازہ لے جایا جا رہا تھا تو اذان ہونے لگی جب مؤذن نے کلمات شہادت بلند کیے تو ذوالنون نے اپنی انگشت شہادت اٹھا دی، جس سے لوگوں کو شبہ ہوا کہ وہ زندہ ہیں چنانچہ جنازہ رکھ کر جب دیکھا گیا تو زندہ نہ تھے، انگلی برابر کرنے کی بہت کوشش کی گئی لیکن سیدھی نہ ہوئی چنانچہ اسی طرح دفن کیا گیا۔ حضرت ذوالنون مصری کے انتقال کے بعد ان کی قبر پر جلی حروف میں یہ لکھا ہوا پایا گیا کہ ذوالنون حبیب اللہ من الشوق قتیل اللہ۔ لوگوں نے اس تحریر کو مٹا دیا پھر دوسرے دن یہی کلمات مرقوم پائے گئے۔

عراق میں حضرت ذوالنون مصری سے منسوب مزار پر کوئی کتبہ نہیں ہے البتہ دس بارہ سال قبل کا کسی علی الزاملی کا تیار کردہ ۱۴۲۹ھ کا ایک بینر دیوار پر آویزاں تھا جس میں مندرج سنین ولادت و وفات بھی تاریخی اعتبار سے مشتبہ اور متصادم ہیں۔ کیوں کہ اس بینر میں سال ولادت ۵۸ھ اور سال وفات ۱۴۵ھ میں بغداد میں بتائی گئی ہے گویا تینوں اطلاعات ہی تاریخی

اعتبار سے غلط اور نا قابل قبول ہیں۔ بینر پر مرقوم یہ عبارت ہدیۂ قارئین ہے:

"هو : ابو الفيض ثوبأن بن ابراهيم الملقب ب(ذوالنون المصرى)ولد فى مصر سنة (٥٥٨) وتوفى ببغدادسنة (٥١٤٥)فى معبديهودى حيث غمرة المياه ودفن فيه تتلمذودرس الحديث واصبح مصدراً مهماً لنقل الحديث حيث عاصر اواخر ايام الصحابى الجليل ابراهيم التيمى (رض)و عاصر الشيخ الحسن بصرى (رض) ودرس مع الشيخ حبيب العجمى (رض)ومن تلاميذه الشيخ بشر الحافى (رض) و كان ذوالنون المصرى (رض) زاهداً و اماماً تقياً و عالماً و يعتبرمن ائمة الصوفيه و اقطابها: ومن اقواله۔

(اياك ان تكون للمعرفة مدعياً او بالزهد معترفاًاو بالعبادة متعلقاً و فر كل شئ الى ربك كل شى) وهو اول من ارسى امور التربية فى التصوف بأن يكون الشيخ هوالمعلم والمرشد لتلميذه المريد و كان مجاب الدعوة۔ وصلى الله على سيدنا محمد الوصف والوحى والرساله والحكمة واله و صحبه وسلم تسليما"۔

مختصر یہ کہ تاریخی شواہد کے اعتبار سے حضرت ذوالنون مصری کے مرقد کا بغداد میں وجود پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم لوگ جس مرقد ذوالنون مصری کے زائر ہوئے وہ مجعول وموضوع ہے۔

اب ہم لوگ حضرت سری السقطی اور حضرت جنید بغدادی کے مراقد پر حاضری کے لیے روانہ ہوئے اور بس سے کچھ دیر میں وہاں جا پہنچے۔ جہاں ان دونوں بزرگوں کا مزار واقع ہے۔ اس عمارت کی ساخت کچھ ایسے ہے کہ چند زینے کی بلندی پر ایک سائبان ہے اور سامنے اغل بغل دو منقش داخلی دروازے ہیں۔ داہنی طرف کا دروازہ ایک متوسط رقبہ کی مسجد میں داخلہ کا ہے اور اس پر اُدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِيْنَ کندہ ہے جب کہ متصل بائیں طرف کا دروازہ اس حجرہ میں داخلے کا ہے جس میں دونوں بزرگوں کے مزارات ہیں اور اس دروازے پر وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴿﴾ کندہ ہے۔ ہم لوگ پہلے مسجد میں داخل ہوئے، وہاں امام جماعت اور ایک دوسرے صاحب سے ملاقات ہوئی جو کہیں استاد تھے۔ ملاقات وتعارف کے بعد ہم لوگوں نے مصلائے امام کے پاس نفلیں پڑھیں کیوں کہ حضرت جنید بغدادی وہیں بیٹھ کر درس دیتے تھے اور کچھ حضرت خضر علیہ السلام سے بھی اس مقام کو نسبت ہے۔ بہر حال نفلوں کے بعد ہم لوگ پھر امام اور دوسرے صاحب جو استاد تھے ان کے پاس آ بیٹھے اور مذکورہ دوسرے صاحب جن کا نام یاد نہیں رہا انہوں نے دف پر ہم لوگوں کو قصیدۂ غوثیہ سنایا جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

سقانی الحب کاسات الوصال
فقلت لخمرتی نحوی تعال

قصیدہ غوثیہ کی نشید کے اس برنامہ کے بعد ہم مسجد سے باہر نکلے اور متصل حجرے میں حضرت سری السقطی اور حضرت جنید بغدادی کی زیارت کو حاضر ہوئے۔

حضرت سری السقطی رضی اللہ عنہ :

حضرت سری السقطی طبقہ اولی کے صوفیہ میں ہیں۔ان کی کنیت ابوالحسن نام سری اور پیشہ سقط فروشی (یعنی خردہ فروشی) تھا۔ چنانچہ ان کا پورا نام ابوالحسن سری بن المغلس السقطی تھا۔آپ نے ۲۵۳ھ مطابق ۸۶۷ء میں اٹھتر یا انٹھانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔اس اعتبار سے سن ولادت ۱۷۵ھ یا ۱۵۵ھ قرار پاتا ہے۔سری سقطی، جنید بغدادی کے ماموں اور مرشد تھے اور وہ خود حضرت شیخ معروف کرخی کے شاگرد ومرید تھے۔حضرت سری سقطی اکثر عرفائے بغداد کے استاد اور مرشد تھے بلکہ تیسری صدی ہجری کے عراق کے بیشتر مشائخ حضرت سری سقطی کے فیض یافتہ ہیں جن میں احمد بن عاصم انطاکی، ابوالحسین نوری، ابوسعید خراز اور ابوحمزہ بغدادی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔حضرت سری سقطی کو عرفان وتصوف میں بڑا اونچا مرتبہ حاصل تھا اور علمائے عرفان نے آپ کے لیے سراج العالمین، تاج العارفین، رئیس المتعبدین، سلطان الموحدین، شیخ الشیوخ طریقت، اصل الاصول حقیقت اور عجوبۂ رموز واشارات جیسے گراں قدر القاب استعمال کیے ہیں۔

حضرت سری سقطی شروع میں بغداد شریف میں خردہ فروشی کی تجارت کرتے تھے۔ایک دن خواجہ حبیب راعی آپ کی دکان کی طرف سے گزرے۔آپ نے کچھ چیزیں ان کے سامنے پیش کیں کہ فقراء کو تقسیم کردیں۔انہوں نے فرمایا: جزاك الله۔ اسی روز سے دنیا ان کے دل پر سرد ہوگئی۔دوسرے دن حضرت معروف کرخی ایک یتیم بچے کے ساتھ سری سقطی کی دکان پر آئے اور فرمایا اس بچہ کو کپڑا پہناؤ۔انہوں نے اس کے لیے کپڑا مہیا کرایا تو حضرت معروف کرخی نے انہیں دعا دی کہ اللہ تیرے دل پر دنیا کو دشمن کردے اور تجھے اس شغل سے راحت دے۔چنانچہ اسی وقت سے ان کا دل دنیا سے متنفر ہوگیا اور انہوں نے ابوالمحفوظ معروف کرخی کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت وارشاد حاصل کیا۔حضرت سری سقطی، حارث بن اسد محاسبی و بشر حافی کے معاصر تھے۔حضرت سری سقطی نے ۳؍رمضان المبارک ۲۵۳ھ کو معتز باللہ کے عہد خلافت میں وصال فرمایا اور بغداد کے شونیزیہ میں مدفون ہوئے۔حجرہ مرقد مبارک میں کوئی کتبہ نصب نہیں ملا۔البتہ مزار شریف ایک لکڑی کی جالی کے اندر حضرت جنید بغدادی کے سرہانے واقع ہے اور اس پر غلاف چادر موجود ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ :

سید الطائفہ جنید بغدادی صوفیہ کرام کے سرخیل اور فضائے معرفت کے بلند پرواز شاہباز ہیں۔صوفیہ کے طبقۂ ثانی سے ہیں۔ان کی کنیت ابوالقاسم اور لقب قواریری، زجاج اور خزاز ہیں۔ان کا وطن اصلی نہاوند تھا لیکن تیسری صدی ہجری کے اوائل میں ۲۱۰ھ سے ۲۲۰ھ کے درمیان بغداد میں متولد ہوئے۔امام ذہبی نے سال ولادت ۲۲۰ھ تحریر کیا ہے۔آپ کا نام جنید بن محمد بن جنید ہے اور القابات میں لسان القوم، طاؤس العلماء، سلطان المحققین، عمدۃ المشائخ، سید الطائفہ، امام الائمہ، طاؤس الفقراء، طاؤس العباد وغیرہ ہیں۔طبقات الصوفیہ میں شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری راقم ہیں کہ مشہور ہے کہ دنیا میں تین اشخاص ایسے

ہیں جن کا چوتھا نہیں ہے؛ بغداد میں جنید، شام میں ابوعبداللہ جلا اور نیشاپور میں ابوعثمان خیری۔ شیخ ابوجعفر حداد کا قول ہے کہ اگر عقل مرد ہوتی تو جنید کی صورت میں ہوتی۔

حضرت جنید بغدادی، حضرت شیخ سری سقطی کے بھانجے اور مرید وخلیفہ تھے۔ خطیب بغدادی کا قول ہے کہ جنید نے بغداد میں رہتے ہوئے سماع حدیث کیا۔ علمائے کرام سے ملاقاتیں کیں۔ ابوثور سے فقہ پڑھی اور بہت سے صوفیہ کی صحبت اختیار کی جن میں حارث محاسبی اور سری سقطی شامل ہیں۔ حضرت جنید صوفیہ کے اماموں اور سرداروں میں سے ہیں اور ان کے عہد کے سبھی صوفیہ مثلاً خراز، رویم، نوری اور شبلی وغیرہ ان سے اپنی نسبت درست کرتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی کے خلفا میں ابوبکر شبلی، ابوعلی رودباری، ممشاد علو دینوری، ابومحمد عبداللہ مرتعش اور ابومحمد حریری وغیرہ سرفہرست ہیں۔

حضرت جنید کا بیان ہے کہ حضرت سری سقطی نے مجھ سے فرمایا کہ وعظ کہو۔ میں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا تھا اس لیے اس پر عمل نہ کیا۔ ایک شب جمعہ کو میں نے خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: کلم علی الناس جب میں بیدار ہوا تو سری سقطی کے دروازے پر پہنچا اور دستک دی تو حضرت سری نے فرمایا کہ میں کہہ رہا تھا تو نہ مانے اب جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تب تمہیں میری صداقت کا یقین ہوا۔

تذکرۃ الاولیا میں عطار نے جنید بغدادی کو شیخ المشائخ عالم، امام الائمہ جہاں، فنون علم کے کامل اصول وفروع کے مفتی وغیرہ جیسے پرشکوہ القاب سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے اقوال طریقت میں حجت ہیں اور شروع سے لے کر آخر تک سبھی کے پسندیدہ ومحمود اور مقبول تھے۔ لوگوں نے سری سقطی سے سوال کیا کہ کیا کوئی مرید اپنے شیخ سے منصب ومرتبہ میں بلندتر ہوتا ہے۔ آپ نے جواب دیا ہوتا ہے اور اس کی دلیل ظاہر ہے جیسے جنید مرتبہ میں مجھ سے بلند اور ارفع ہے۔

جس وقت جنید بغدادی کے وصال کا وقت آیا تو قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔ کسی نے ان سے کہا کہ تھوڑا آرام کرلیں تو انہوں نے فرمایا اس وقت مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن کی ضرورت نہیں ہے، یہ وہ لمحہ ہے جس لمحے میرا صحیفہ بند کر دیا جائے گا۔ حضرت جنید بغدادی نے ۲۷ رجب ۲۹۷ھ مطابق ۹۱۰ء کو وصال فرمایا اور حضرت سری سقطی کے حجرۂ مرقد واقع شونیزیہ میں پائین جانب مدفون ہوئے۔

علامہ سید محمود شہاب الدین آفندی آلوسیؒ :

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے یہاں سے نکل کر ہم لوگ پاپیادہ ہی علامہ محمود آلوسی کے مقبرے میں چلے آئے۔ ال آلوسی ایک خاندان کا نام ہے جس کے ارکان میں بغداد کے بہت سے متبحر علماء شامل تھے۔ آلوسی، آلوس سے منسوب ہے جو دریائے فرات کے مغربی کنارے پر ابوکمال اور رمادی کے درمیان واقع ہے۔ اپنی خاندانی روایت کے مطابق آلوسی خاندان حسنی اور حسینی سید تھے۔ ان کے اجداد ہلاکو سے جان بچا کر آلوس میں پناہ گزیں ہوئے تھے پھر گیارہویں صدی ہجری میں

ان کی اولاد بغداد واپس آئی۔اس خاندان کے مورث اعلیٰ کا نام عبداللہ صلاح الدین تھا جو ابوالثناء محمود شہاب الدین آلوسی کے والد تھے۔صاحب تذکرہ محمود شہاب الدین آلوسی کا شمار امت مسلمہ کے علماء میں ایک مشہور ومعروف مفسر کی حیثیت سے ہوتا ہے۔آلوسی کا پورا نام سید محمود آفندی اور کنیت ابوالثنا تھی لیکن آپ اپنے لقب شہاب الدین آلوسی بغدادی سے زیادہ معروف ہوئے۔شہاب الدین آلوسی ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء کو پیدا ہوئے اور ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں وفات پائی۔علامہ آلوسی اپنے زمانے کے بڑے عالم تھے اور معقولات ومنقولات میں دسترس کامل رکھتے تھے۔آپ کی مجلس درس میں دور دراز سے طالبین علم آکر شریک ہوتے تھے۔علامہ آلوسی مذہب شافعی پر عمل پیرا تھے لیکن بغداد میں احناف کے منصب افتاء پر فائز رہے۔طبع علمی کے باعث یہ منصب آپ کے مزاج کے موافق نہ تھا چنانچہ ۱۲۶۳ھ میں مستعفی ہو کر قرآن پاک کی تفسیر لکھنے میں پوری طرح مشغول ہو گئے اور ۱۲۶۷ھ میں تفسیر ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی'' کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔اس مشہور تفسیری کارنامہ کے علاوہ مختلف تصنیفات علامہ آلوسی کی یادگار ہیں۔

علامہ آلوسی کے احاطہ مقبرہ میں دو اور قبریں موجود ہیں لیکن چونکہ صاحبان قبر کا نام میں اپنی یادداشت میں سہواً درج نہ کرسکا اس لیے ان نفوس کے بارے میں کچھ رقم کرنے سے قاصر ہوں۔

علامہ آلوسی کے یہاں سے نکل کر ہم لوگ بذریعہ بس روانہ ہو کر اس عمارت تک پہنچے جس میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے منسوب مرقد واقع ہے۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام :

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا براہ راست ذکر تو قرآن مجید میں نہیں ملتا البتہ سورۃ الکہف کی آیت: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝۶۰ سے مراد یوشع بن نون ہیں۔حضرت یوشع بن نون بن افرایم بن یوسف علیہما السلام، حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم کے بھانجے تھے اور آپ کے اکبر خلفاء میں تھے۔ حضرت یوشع ہر وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے یہاں تک کہ وصال کے وقت تک ساتھ رہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد ان کی خلافت حضرت یوشع بن نون کے سپرد ہوئی اور انہوں نے شریعت موسوی کو بہت فروغ دیا۔بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون کو معظم ترین اور برگزیدہ شخصیت سمجھا جاتا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام، یوشع بن نون کو ہی لے کر حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے گئے تھے۔اسلامی روایات میں ان کا نام یوشع بن نون اور اسرائیلی روایتوں میں یشوع بن نون مرقوم ہوا، چنانچہ بخاری شریف، مسلم شریف اور سنن ترمذی میں سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۶۰ کے ضمن میں یوشع بن نون آیا ہے۔ان کا نسب یوں ہے؛ یوشع بن نون بن افرایم/افراشیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل علیہم السلام۔

حضرت یوشع بن نون ایک تخمینہ کے اعتبار سے ۱۳۵۰ ق م میں مصر میں پیدا ہوئے اور کنعان میں وفات پائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کے خلیفہ اول یوشع بن نون علیہ السلام ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنو اسرائیل کے ساتھ سمندر کے کنارے پہنچے تو یوشع بن نون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ آپ کے رب نے کس طرف سے نکلنے کا حکم دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامنے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ یوشع نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا حتیٰ کہ جب سمندر کی گہرائی میں پہنچا تو لوٹ آئے اور پوچھا کہ آپ کے رب نے کس طرف سے نکلنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح تین مرتبہ ہوا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی: اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۔ (تفسیر الطبری: ۶۸۵/۱، تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۰۷۱/۱) کہ اپنا عصا پانی پر مارو۔

علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم کے وصال کے چالیس سال بعد اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو خبر دی کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور اللہ نے مجھے قوم جبارین (عمالقہ) سے جہاد کا حکم دیا ہے۔ بنی اسرائیل نے اس کی تصدیق کی اور ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ پھر یوشع بن نون نے بنی اسرائیل کے ساتھ اریحا نامی بستی کا قصد فرمایا۔ ان کے پاس تابوت میثاق بھی تھا۔ انہوں نے چھ مہینہ تک اس بستی کا محاصرہ کیے رکھا۔ ساتویں مہینہ اس بستی کی دیواریں گرانے میں کامیاب ہوئے تو انہوں نے بستی میں داخل ہو کر قوم جبارین سے جہاد کرنا شروع کر دیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ پورے دن جنگ ہوتی رہی لیکن جہاد مکمل نہ ہوا تھا۔ قریب تھا کہ سورج غروب ہو جاتا اور ہفتہ کی رات شروع ہو جاتی اور ہفتہ کو ان کی شریعت میں جہاد جائز نہ تھا۔ چنانچہ یوشع علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ سورج کو روک دے چنانچہ اللہ نے سورج کو روک دیا اور غروب سے قبل فتح نصیب ہوگئی۔۔۔ (۲۶۱/۲۲)

حضرت یوشع بن نون کا مزار جس عمارت میں واقع ہے اس کے صدر دروازہ سے داخل ہو کر بائیں طرف کچھ چلنے کے بعد ایک حجرہ ہے جس کے داخلی دروازہ پر ایک بورڈ پر تین سطروں میں مرقد نبی اللہ یوشع علیہ السلام تحریر ہے۔ عمارت پرانی اور خستہ حال ہے۔ حجرہ میں داخل ہوتے ہی بالکل سامنے ایک بلند مزار ہے جس پر نیلے مخمل کا سنہری گوٹوں والا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ مزار کے گرد کوئی جالی نہیں ہے اور اتنا بلند ہے کہ بغیر جھکے ہوئے کھڑے کھڑے بوسہ دیا جا سکتا ہے۔ مزار پر چڑھے غلاف پر کلمہ طیبہ اور تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ تک کشیدہ تھا۔ جس عمارت میں مزار واقع ہے اس میں ایک مسلم خاندان بھی اقامت پذیر ہے۔ اس گھرانے کی ایک ضعیفہ نے احاطہ مزار کے درخت کی کھجوریں بطور ضیافت پیش کیں۔

حضرت یوشع بن نون کا وصال جیسا کہ بیان کیا گیا کنعان میں ہوا تھا، ایسی صورت میں بغداد میں ان کا مزار کیسے بنا؟

یہ ایک سوال ہے۔اس کے علاوہ فلسطین کے کفل حارمیں اور اردن میں بھی حضرت یوشع کا مزار ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔

حضرت بہلول دانا قدس سرہ :

حضرت بہلول کا نام ابو وہیب بن عمرو تھا اور وہ کوفہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔انہیں دوسری صدی ہجری کے عقلائے مجانین میں شمار کیا جاتا ہے اور وہ خلیفہ ہارون رشید کے معاصر تھے۔ہارون اور دوسرے خلفا، بہلول سے وعظ ونصیحت کے طلبگار رہتے تھے۔بہلول نے ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔بہلول کی ملاقات غالباً ۱۸۸ھ مطابق ۸۰۴ء میں ہارون رشید سے ہوئی تھی۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہلول امام موسیٰ کاظم کے شاگرد تھے جب کہ صاحب بحر زخار نے امام جعفر صادق کو ان کا استاد لکھا ہے۔بہلول کا ذکر سب سے پہلے الجاحظ کی البیان میں نظر آتا ہے جہاں اس نے بہلول کو ایک سادہ لوح شخص اور راہگیروں کے استہزا وتمسخر کا نشانہ بننے والے کی شکل میں پیش کیا ہے۔جاحظ نے بہلول کو شیعہ قرار دیا ہے جب کہ دوسرے مآخذ اور دائرۃ المعارف ان کے سنی العقیدہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

حضرت بہلول کا مزار یوشع بن نون کے مرقد کے قریب ایک عمومی قبرستان میں واقع ایک حجرہ میں ہے۔احاطہ قبرستان کے دروازہ پر ایک بینر لگا ہوا ہے جس پر مرقوم ہے:

"بسم الله الرحمن الرحيم زيارة مرقد الشيخ بهلول بن عمير التصريفي۔ السلام على محمد و آله الطيبين الطاهرين وعلى صحبه الكرام الميامين ۔ السلام عليك يا ولى الله الصالح۔ السلام عليك يا عبدالله الناصح۔ السلام عليك يا ابا وهب الكوفى ورحمة الله وبركاته السلام على جميع الانبياء والمرسلين و الصديقين و الشهداء والصالحين ورحمة الله وبركاته۔ الفاتحة قبلها الصلوات على محمد و آل محمد"۔

قبرستان کے صدر دروازے سے داخل ہونے کے بعد داہنی طرف ایک حجرہ ہے جس پر گنبد تعمیر ہے۔اسی کے اندر حضرت بہلول کا مزار واقع ہے۔حجرہ کے دروازے کے داہنی طرف بھی ایک بینر موجود ہے جس پر یہ کلمات تحریر ہیں:

"مرقد ومزار بهلول ابن عمير التصريفي۔ السلام عليك يا ابا وهب الكوفى"۔

اور بائیں طرف ایک بینر پر وہی سلام زیارت تحریر ہے جو اوپر رقم کیا گیا۔حضرت بہلول دانا کے مرقد کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ ان کی قبر سے خوشبو آتی ہے۔ہم لوگوں نے جالی کے اندر منہ ڈال کر اسے محسوس کرنے کی سعی کی اور درست پایا۔تھوڑی تھوڑی دیر پر شمامۃ العنبر جیسی خوشبو کے جھونکے آرہے تھے۔واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت بہلول دانا کے حجرۂ مرقد سے نکل کر ہم لوگ اسی حلقہ قبرستان میں مرقد بہلول کی پشت پر واقع حضرت ابراہیم الخواص کے مرقد پر حاضر ہوئے جو ایک حجرہ جس پر گنبد بھی ہے، میں واقع ہے اور حجرہ کے باہر ایک سنگی کتبہ نصب ہے جس پر ابراہیم

الخواص کا نام ابواسحاق بن ابراہیم بن احمد بن اسماعیل الخواص اور سن تولد ۲۹۱ھ کندہ ہے اور یہ مرقوم ہے کہ وہ ایک عالم اور اعلیٰ مرتبہ کے مشائخ میں سے تھے اور حضرت جنید بغدادی اور ابوالحسن نوری کے معاصر تھے۔ چنانچہ کتبہ پر اس طرح مرقوم ہے:

"الشیخ ابراھیم الخواص، ابواسحاق بن ابراھیم بن احمد بن اسماعیل الخواص تولد ۲۹۱ھ عالم و کان اوحد المشایخ فی زمانہ من اقران الشیخ الجنید البغدادی وابی الحسن النوری"۔

حجرہ کے اندر بغیر جالی اور کسی چادر وغلاف کے سنگ مرمر سے مزین مزار واقع ہے جس پر ایک سنگی کتبہ رکھا ہوا ہے جس پر یہ کندہ ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم الشیخ ابراھیم الخواص"۔

حضرت ابراہیم الخواص رضی اللہ عنہ :

حضرت ابراہیم الخواص طبقہ ثانیہ کے صوفیہ میں ہیں اور بعض لوگوں نے انہیں طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ ان کی کنیت ابواسحاق اور نام ابراہیم بن احمد بن اسماعیل تھا اور پیشہ چونکہ بوریا اور زنبیل بنانا تھا اور خوص یعنی برگ خرما سے ان کے بنانے کا کام کرتے تھے، اس لیے خوّاص (با واو مشدد) کہلائے اور ابواسحاق بغدادی سے مشہور ہوئے۔ ان کے اجداد ایران کے آمل کے باشندے تھے لیکن ابراہیم خواص کی ولادت اور پرورش و پرداخت چونکہ بغداد میں ہوئی اس لیے بغدادی کہلائے۔ ابراہیم خواص تیسری صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ میں ہیں اور حضرت جنید بغدادی اور ابوالحسین نوری کے معاصرین میں تھے۔ تجرید و توکل میں حضرت ابراہیم خواص بڑے بلند مرتبے پر فائز تھے اور اپنے زمانے کے منفرد مشائخ میں تھے۔ حضرت ابراہیم خواص کا وصال ۲۹۱ھ مطابق ۹۰۴ء میں ہوا۔ طبقات الصوفیہ میں خواجہ عبداللہ انصاری نے ابراہیم خواص کا مدفن ایران کا شہر رے لکھا اور جامی نے نفحات الانس میں قلعہ طبرک واقع شہرستان رے (ایران) کے قریب ان کے مدفن ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ایران کے شہرستان رے اور بغداد میں بہت فاصلہ ہے ایسی صورت میں بغداد میں ابراہیم خواص کے مرقد کی موجودگی باعث استناد نہیں معلوم ہوتی۔ طبقات الصوفیہ میں خواجہ عبداللہ انصاری نے واضح طور پر لکھا ہے کہ:

"...... برفتہ از دنیا در قدیم در سنہ احدی وتسعین ومائتین، اندرست شود و یوسف حسین رازی وی را بشستہ و دفن کردہ بہ ری۔ وگور وی آنجاست......" (طبقات الصوفیہ، عبداللہ انصاری، ۳۴۸)

اور جامی نے بھی واضح طور پر لکھا ہے کہ

"......قبر وی در حصار طبرک است......" (نفحات الانس، جامی، ۱۳۷)

بعض دوسرے منابع واضح طور پر یہ لکھتے ہیں کہ ابراہیم خواص نے آخر میں رے میں سکونت اختیار کر لی اور اسی شہر کی جامع مسجد میں وصال فرمایا۔ جامی نے علت وصال ان کا درد شکم اور اسہال میں مبتلا ہونا تحریر کیا ہے اور لکھا ہے ہر بار جب وہ

ضرورت سے فارغ ہوتے تو غسل کرتے اور دو رکعت نماز پڑھتے ۔ یہاں تک کہ جس دن ان کا وصال ہوا اس دن ضرورت کی نوبت ستّر بار تک پہنچی اور انہوں نے ستّر بار غسل کیا۔ وہ سخت سردی کا موسم تھا اور آخری بار انہوں نے دریا میں غسل کیا۔

حضرت ابراہیم خواص کو ابو عبداللہ المغربی کی صحبت بھی میسر آئی تھی ۔طریقت میں ابراہیم خواص سری سقطی کے مسترشد بیان کیے جاتے ہیں ۔ابراہیم خواص کے عرفان وسلوک کی طرف میلان کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ علم ظاہری کے حصول میں بہت کدوکاوش کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی ۔اس مجذوب نے ابراہیم خواص سے کہا کہ کب تک علم ظاہری کے حصول کے لیے اپنے جسم وجاں کو رنج ومحنت میں مبتلا رکھو گے، اکتساب علم باطن اور طریق سیر و سلوک کے حصول کے لیے کوشش کرو تا کہ ایسے مقامات حاصل ہوں جو بیان وگمان سے ماوراء ہیں ۔ چنانچہ یہ سن کر ابراہیم خواص میں انقلاب باطن برپا ہوا اور سلوک وعرفان کی طرف راغب ہو گئے ۔ابراہیم خواص کے مریدوں میں ابوجعفر خلدی یا جعفر بن محمد خلدی اور سیروانی مہین شامل تھے ۔ابراہیم خواص ان مشائخ میں سے تھے جنہوں نے سیر سلوک میں مقام توکل کی اس حد تک رعایت کی تھی کہ رئیس المتوکلین کہے جاتے تھے اور بغیر زاد وتوشہ کے بادیہ پیمائی کرتے تھے لیکن سوئی دھاگہ اور کاسہ وقینچی ضرور ساتھ رکھتے تھے کیوں کہ اسے پاسداری احکام شریعت کے لیے لازمی تصور کرتے تھے اور توکل سے متعارض نہیں جانتے تھے ۔ابوابراہیم خواص کو حضرت خضر علیہ السلام کی صحبتیں بھی میسر رہیں لیکن توکل میں اپنے مقام والا کی وجہ سے انہوں نے خضر علیہ السلام کی ہمراہی بھی گوارا نہیں کی ۔ابراہیم خواص صاحب تصانیف مشائخ میں سے تھے لیکن ان کی کوئی تصنیف باقی نہ رہی البتہ خواجہ عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ انہوں نے ابراہیم خواص کی تصنیف مسمی بہ ”اعتقاد“ دیکھی ہے ۔کلابادی نے، ابراہیم خواص کو جنید بغدادی اور احمد بن عیسی خراز جیسے مشائخ کی صف میں شمار کیا ہے جنہوں نے تصوف میں علم اشارات کی ترویج واشاعت کی کوششیں کی ہیں ۔

—(جاری)

****

سہ ماہی المجیب

میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں

ساتویں قسط

منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی
(چند دن دیار حرم میں)

● وارث ریاضی — کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

غار حرا :

۸ر بجے کے قریب ہماری بس غار حرا کے پاس آ کر رکی، یہ غار جبل نور کی چوٹی پر مسجد حرام کے شمال مشرق میں ہے، اسے جبل حرا بھی کہا جاتا ہے، سطح سمندر سے اس غار کی اونچائی ۶۲۱ میٹر اور سطح زمین سے ۲۸۱ میٹر ہے، غار تک پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگتا ہے، بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ اس غار میں عبادت کیا کرتے تھے، غار کی شمالی سمت میں دروازہ ہے، وہاں تک پہنچنے کے لیے دو پتھروں کے درمیان سے گزرنا پڑتا ہے، جن کا درمیانی فاصلہ ۶۰ سنٹی میٹر ہے، غار کی لمبائی تین میٹر اونچائی دو میٹر ہے، چوڑائی کہیں زیادہ ہے اور کہیں کم ہے، زیادہ سے زیادہ چوڑائی ۱،۳۰ میٹر ہے، اس میں دو آدمی آگے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، داہنی سمت بھی تھوڑی سی جگہ ہے، جس پر ایک آدمی بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے، اسی غار میں رسول اللہ ﷺ پر حضرت جبریل علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے — (۹۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

رسول اللہ ﷺ پر نبوت کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی، آپ ﷺ جو بھی دیکھتے وہ واضح طور پر پورے ہوتے، جس طرح صبح کی روشنی، پھر آپ ﷺ کو عزلت نشینی اور تنہائی مرغوب ہوگئی، چنانچہ آپ ﷺ غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں کئی کئی راتیں عبادت میں گزار دیتے، جب توشہ ختم ہوجاتا اور واپس تشریف لے آتے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لیے توشہ تیار کردیتیں اور آپ ﷺ پھر تشریف لے جاتے، ایک روز آپ ﷺ غار حرا میں تھے کہ ”فرشتہ“ پیغام حق لے کر نمودار ہوا اور کہا: پڑھیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا: فرشتے نے مجھے پکڑ کر خوب زور

سے دبایااور چھوڑ کر کہا: پڑھیے،''میں نے پھر کہا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''اس نے مجھے پکڑ کر دبایااور تیسری بار مجھ سے کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱

ترجمہ : پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس پہلی وحی کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا سے گھر تشریف لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر کپکپا رہا تھا۔۔۔(۹۴)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں غار حرا سے رات گزار کر نیچے اترا تو محسوس کیا کہ کوئی مجھے پکار رہا ہے، میں نے اپنے دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا، پھر میں نے اوپر دیکھا تو کچھ نظر آیا، میں فوراً خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آیا اور کہا مجھے کمبل اوڑھا دو اور ٹھنڈے پانی سے میرے جسم کو ٹھنڈا کر دو، چنانچہ انہوں نے مجھے کمبل اڑھا دیا اور پانی بھی میرے جسم پر ڈالا۔۔۔(۹۵)

غار حرا میں جو واقعہ پیش آیا، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ گھبراہٹ اور پریشانی ہوئی کہ نزول وحی اور انوار تجلیات کی شدت ظہر سے مغلوب ہو کر مبادا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فنا نہ ہو جائیں، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تشویش کا اظہار کیا، تو انہوں نے تسلی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادق ہیں، امین ہیں، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، کسی کو کوئی اذیت نہیں پہنچاتے، اس لیے دل تھوڑا کرنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسوا نہیں کرے گا، اور مزید تسلی کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو اس وقت توریت اور انجیل کے بڑے عالم تھے، ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غار حرا کا ماجرا سن کر کہا:

''یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے، جو موسیٰ علیہ السلام پر اترتا تھا، کاش! میں آپ کے زمانہ پیغمبری میں قوی اور توانا ہوتا اور آپ کی قوم آپ کو اپنے وطن سے نکالتی تو میں اس وقت آپ کی مدد کرتا، مگر کچھ زیادہ دن نہیں گزرے ہوں گے ورقہ کا انتقال ہو گیا''۔۔۔(۹۶)

ورقہ بن نوفل کی تسلی اور بشارت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشویش جاتی رہی اور آہستہ آہستہ حالات مناسب ہوتے گئے، پھر وہ دن آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی الاعلان دین کی اشاعت اور تبلیغ کا کام انجام دینا شروع کر دیا، لوگ جوق در جوق حلقہ بہ گوش اسلام ہوتے گئے اور بالآخر ساری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان وحی و رسالت ہی کا نتیجہ ہے کہ ۲۰۱۷ء میں پچاس لاکھ سے زائد مسلمان بیت اللہ کے حج اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے سرزمین قدس میں آئے تھے اور آیندہ بھی آتے رہیں گے۔۔۔(ان شاء اللہ تعالیٰ)

۲۱؍ذی قعدہ کو تقریباً ۱۱؍بجے دن میں ہم غار حرا سے اپنی رہائش پر آگئے، ۲۲؍ذی قعدہ کو ناچیز نے تیسری بار مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب کے ساتھ عمرہ ادا کیا اور اس کے بعد ایام حج کا انتظار کرنے لگا۔

۲۰۱۷ء (۱۴۳۸ھ) میں ہندوستان کی حج کمیٹی کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ جو ''عازمین حج'' حج قران یا حج تمتع کرنا چاہتے ہوں، وہ حج کی رقم کے ساتھ قربانی کی رقم بھی جمع کردیں، کیوں کہ سعودی حکومت کا یہ فیصلہ ہے کہ حاجیوں کی قربانی کرانے کا نظم سعودی حکومت کرے گی، سعودی حکومت کا یہ فیصلہ درست تھا، چوں کہ ہندوستانی عازمین حج میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جو قربانی کی رقم سادہ لوح عازمین حج سے وصول کرکے ان کی قربانی اپنے توسط سے کراتے ہیں، اس طرح انہیں اچھا خاصا فائدہ ہوجاتا ہے۔

قربانی کے جانور عموماً پہلے دن یعنی ۱۰؍ذی الحجہ کو زیادہ قیمت پر فروخت ہوتے ہیں، اگر ۱۰؍ذی الحجہ کو ایک خصی یا دنبہ پانچ سو سعودی ریال میں ملتا ہے تو دوسرے دن اس کی قیمت چار سو ریال ہوجاتی ہے اور تیسرے دن تین سو ریال، قربانی کرانے والے ایجنٹ عموماً تیسرے دن قربانی کراتے ہیں، لیکن عازمین حج سے پہلے دن کی قیمت وصول کرتے ہیں، اس طرح ایک قربانی کے جانور میں ان کو دو سو ریال کا فائدہ ہوجاتا ہے، اگر پچاس حاجیوں سے انہوں نے رقم وصول کرلی تو انہیں دس ہزار ریال بہ آسانی مل جاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ قربانی کرانے والے کچھ ایسے بھی ایجنٹ ہوتے ہیں، جو حاجیوں سے قربانی کی رقم وصول کرلیتے ہیں، لیکن قربانی نہیں کراتے ہیں، یہ بات ناچیز سے ایک بہت معتمد آدمی نے بتائی، جو ہندوستان ایجنسی میں ملازم ہیں قربانی کرانے کا یہ دھندا تو ہندوستانی عازمین میں مشہور ہے، بنگلہ دیش اور پاکستان والے اس معاملے میں کیا پیچھے ہوں؟ اللہ اعلم بالصواب۔

بہ ہر حال یہ ایک دھندا ہوگیا ہے، جس پر روک لگانے کے لیے سعودی حکومت کا فیصلہ درست ہے، لیکن دقت یہ ہے کہ حج کمیٹی آف انڈیا عازمین حج سے قربانی کی رقم وصول کرنے کے باوجود بھی نہ جانے کیوں کچھ عازمین کی قربانی کی رقم مکہ مکرمہ میں حج کمیٹی آف انڈیا کے بینک کو نہیں بھیجتی ہے، ایسی صورت میں عازمین حج کو اپنی سطح سے فوری طور پر قربانی کرانے کا انتظام کرنے میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں، خود راقم ناچیز اور دوسرے بہت سے عازمین کی رقمیں مکہ مکرمہ میں حج کمیٹی آف انڈیا کے بینک کو نہیں بھیجی گئی تھیں، پانچ سات مرتبہ حج کمیٹی کے آفس اور متعلقہ بینک کا چکر لگانے اور قربانی کی جمع کی گئی رقم کی فوٹو پائی جمع کرنے کے بعد بھی قربانی کا ٹوکن نہیں ملا، تو بہ ذات خود قربانی کرانے کا نظم کرنا پڑا۔

ناچیز کے ایک عزیز شاگرد ڈاکٹر رئیس الاعظم سلمہ جو مغربی چمپارن بہار کے رہنے والے ہیں، وہ ریاض میں ہندوستانی ایمبیسی میں مترجم اور قانونی مشتار ہیں، ناچیز نے ان کو صورت حال سے مطلع کیا تو انہوں نے اپنے ایک دوست جناب ذکی احمد صاحب (جو سہرسہ بہار کے رہنے والے ہیں اور مکہ مکرمہ میں کوئی کاروبار کرتے ہیں) سے رابطہ کرکے ان سے

ناچیز کی طرف سے قربانی کیے جانے کا نظم کرنے کی التماس کی، ذکی صاحب نے ناچیز سے ۵۵۰ ریال لیے اور فرمایا:

''جب آپ ۱۰ ذی الحجہ کو پہلی رمی عقبہ سے فارغ ہو جائیں تو موبائل پر رابطہ کر کے مجھ سے دریافت کرلیں، جب میں بتادوں کہ آپ کی طرف سے قربانی کر دی گئی، تو آپ حلق یا قصر کرا کے جامعہ احرام اتار دیجیے گا۔''

ناچیز کے علاوہ چند دوسرے عازمین نے بھی ذکی احمد صاحب کے توسط سے قربانی کا نظم کیا، بہت سے عازمین نے مدرسہ صولتیہ میں قربانی کی رقم جمع کی، اس طرح حج کمیٹی کے ذمے داروں کی بے اعتنائی سے کچھ عازمین کو زحمت اٹھانی پڑی۔

حج اور ایام حج :

حج کے لغوی معنی آتے ہیں: کسی قابل عظمت چیز کا ارادہ کرنا، لیکن شریعت کی اصطلاح میں چند مخصوص اعمال کا مخصوص زمانے میں، مخصوص طریقے سے، مخصوص مقامات پر ادا کرنے کا نام حج ہے۔(۹۷)

حج فرض ہے اور اس کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ

ترجمہ : جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے استطاعت دی ہو، ان پر فرض ہے کہ وہ اللہ کی خوش نودی کے لیے بیت اللہ کا حج کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یاایھا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا، فقال رجل، اکل عام یارسول اللہ؟ فسکت حتی قالھا ثلاثا، فقال: لوقلت نعم لوجبت ولما استطعتم"۔(۹۸)

ترجمہ : لوگو! تم پر حج فرض ہے، لہذا حج کرو، اس پر ایک آدمی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ ﷺ یہ بات سن کر خاموش رہے، یہاں تک کہ اس آدمی نے تین بار وہی بات پوچھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو عدم استطاعت کی صورت میں بھی تم پر ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، لہذا جس بات کا میں جواب نہ دوں، اس کے بارے میں مجھ سے نہ دریافت کرو۔

عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں:

"واتفقت الامة علی فرضیته، فیکفر منکرھا"۔(۹۹)

ترجمہ : علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حج کرنا فرج ہے، اگر کسی نے حج کی فرضیت کا انکار کیا تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

حج کس سنہ میں فرض ہوا؟ اس کے بارے میں علما کا اختلاف ہے، مولانا مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

''جمہور کے قول کے مطابق حج کی فرضیت ہجرت کے تیسرے سال یعنی غزوۂ احد کے سال میں سورۂ آل عمران کی اس آیت سے ہوتی ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۔۔۔(ابن کثیر)

اس آیت میں فرضیت حج کی شرائط کا بیان اور باوجود قدرت ہونے کے حج نہ کرنے پر سخت وعید ہے۔۔۔(۱۰۰)

علامہ ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ ۶ھ میں حج فرض کیا گیا، وہ رقم طراز ہیں:

''ثم اختلف فی سنته فالجمهور علی انها سنة ست لانها نزلت فیها قوله تعالیٰ: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ تعالیٰ، وهذا ینبنی علی ان المراد بالاتمام ابتداء الفرض''۔(۱۰۱)

ترجمہ : حج کے سنہ فرضیت میں علما کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک ۶ھ میں حج فرض ہوا، کیوں کہ اسی سال قرآن کی آیت ''وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ'' نازل ہوئی، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آیت میں ''اتمام'' سے حج اور عمرے کی ابتدائے فرضیت بتلانا مقصود ہے۔

لیکن علامہ ابن عابدین کے نزدیک حج کی فرضیت ۹ھ میں ہوئی، موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''ان الصحیح ان الحج فرض فی اوا خر سنة تسع وان آیة فرضه هی قوله تعالیٰ: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا، وهی نزلت عام الوفود اواخر سنة تسع وانه صلی الله علیه وسلم لم یاخر الحج بعد فرضه عاماً واحدا وهذا هو لائق بهدیه وحاله صلی الله علیه وسلم، ولیس من ادعی تقدم فرض الحج سنة ست اوسبع اوثمان او تسع دلیل واحد وغایة ما احتج به من قال سنة ست ان فیها نزل قوله تعالی وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ، وهذا لیس فیه ابتداء فرض الحج وانما فیه الامر باتمامه اذا سرع فیه فاین هذا من وجود ابتدائه''۔(۱۰۲)

ترجمہ : صحیح بات یہ ہے کہ ۹ھ کے آخر میں حج کو فرض قرار دیا گیا، اور فرضیت حج کی یہ آیت: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۔ عام الوفود کے سال ۹ھ کے آخر میں نازل ہوئی اور فرضیت حج کے بعد حج کی ادائے گی میں آپ ﷺ نے ایک سال بھی تاخیر نہیں فرمائی، اور آپ ﷺ کا یہ عمل آپ ﷺ کے اصول اور شانِ نبوت کے عین مطابق ہے اور جن لوگوں نے ۶ھ یا ۷ھ یا ۸ھ، یا ۹ھ کے اوائل میں فرضیت حج کا دعویٰ کیا ہے، ان کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایک دلیل بھی نہیں ہے، اور جن لوگوں نے قرآن کی آیت: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ، سے استدلال کرتے ہوئے ۶ھ کو حج کی فرضیت کا سال قرار دیا ہے، ان کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس آیت میں حج اور عمرے کی فرضیت کی بات نہیں بتائی گئی ہے، بلکہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ جب حج اور عمرے کے اعمال شروع کر دیئے جائیں تو ان کا اتمام ضروری ہے، لہٰذا اس آیت سے ۶ھ میں حج کی فرضیت کا ثبوت کہاں ملتا ہے؟

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حج کی فرضیت ۶ھ میں ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار سال کی تاخیر کے بعد ۱۰ھ میں حج ادا کریں، یہ آپ ﷺ کے اصول اور شانِ نبوت کے خلاف ہے، صحیح بات یہ ہے کہ ۹ھ کے آخر میں اس وقت حج کی فرضیت ہوئی، جب حج کے ایام گزر چکے تھے، ورنہ آپ ﷺ ۹ھ ہی میں حج ادا فرماتے، حج کی فرضیت کے بعد آپ ﷺ نے صرف ایک بار ۱۰ھ میں حج ادا فرمایا جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ (۱۰۳)

ہر وہ مسلمان جس کے اندر وجوب حج کی جملہ شرائط پائی جائیں، اس پر زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض عین ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس پر بلا تاخیر حج کرنا ضروری ہے، بہ شرطے کہ وہ زمانۂ حج کو پاسکے، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کبرسنی کے باعث ادائے گی حج سے عاجز ہونے یا مال ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور عازم حج کا عزم مصمم ہو کہ وہ آئندہ ضرور حج ادا کرلے گا تو اس تاخیر پر وہ گناہ گار نہ ہوگا، بہ صورت دیگر امام شافعیؒ کے نزدیک تاخیر سے حج ادا کرنے پر وہ گناہ گار ہوگا۔ (۱۰۴)

وجوب حج کی حسب ذیل شرائط ہیں:

(۱) مسلمان ہونا، (۲) حج کی فرضیت سے واقف ہونا، یا دارالسلام میں ہونا، (۳) بالغ ہونا، (۴) صاحب عقل ہونا، (۵) آزاد ہونا، (۶) صاحب استطاعت ہونا یعنی اس قدر مال کا مالک ہونا جو حاجات اصلیہ اور قرض سے محفوظ ہو اور وہ بچا ہوا مال چھوڑ جائے، جس سے ان افراد کی ضروریات زندگی کی تکمیل ہوجائے، جن کی کفالت اس پر لازم ہے۔ (۷) مذکورہ تمام شرائط کے ساتھ عازم حج کو اتنے ایام مل سکیں، جن میں مکہ مکرمہ جا کر حج کے ارکان ادا ہوسکیں۔ (۱۰۵)

حج کی درج بالا شرائط وجوب کے ساتھ احناف کے نزدیک حج کی ادائے گی کی صحت کے لیے مندرجہ ذیل مزید چار شرائط ہیں:

(۱) صحت مند ہونا یعنی بدن کا ان اعذار سے سالم ہونا، جن کے باعث حج ادا کرنا ممکن نہ ہو، جیسے فالج یا ضعف وغیرہ جن کی وجہ سے حج کرنا ممکن نہیں۔ (۲) راستے کا مامون ہونا، (۳) عورت کے ساتھ اس کے محرم کا ہونا، محرم کے بغیر عورت کا حج کرنا درست نہیں، (۴) حج کرنے والی عورت کا عدت طلاق یا عدت وفات میں نہ ہونا۔ (۱۰۶)

ارکان حج :

امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک حج کے چار ارکان ہیں:

(۱) احرام یعنی حج یا عمرے کی نیت کرنا (لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نیت کے ساتھ تلبیہ کہنا بھی لازم ہے)۔

(۲) طواف افاضہ یعنی طواف زیارت۔

(۳) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

(۴) وقوف عرفہ۔

لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حج کے دو ارکان ہیں:

(۱) وقوف عرفہ۔

(۲) طواف زیارت کا اکثر حصہ یعنی چار بار پھیرے لگانا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک احرام حج کی شرائط صحت میں سے ہے، حج یا عمرے کی نیت کر کے جب عازم حج تلبیہ پڑھتا ہے، تو اس پر کچھ حلال چیزیں حرام ہو جاتی ہیں، اس لیے اس کو احرام کہا جاتا ہے، لیکن مجازًا ان چادروں پر بھی احرام کا اطلاق ہوتا ہے، جن کو حاجی حالت احرام میں استعمال کرتے ہیں، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، رکن نہیں۔

امام شافعیؒ کے نزدیک حج کے چھ ارکان ہیں:

(۱) احرام: امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک حج اور عمرے کی نیت کرنا احرام کہلاتا ہے، ان حضرات کے نزدیک نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

(۲) طواف زیارت۔

(۳) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

(۴) وقوف عرفہ۔

(۵) حلق یعنی سر کا بال کٹوانا اور یہ عمل وقوف عرفہ اور حج میں قربانی کی رات سے نصف حصہ گزرنے کے بعد کیا جائے۔

(۶) مذکورہ پانچوں ارکان حسب ذیل ترتیب سے ادا کیے جائیں:

(۱) سب سے پہلے احرام، (۲) اس کے بعد وقوف عرفہ، (۳) اس کے بعد طواف زیارت، (۴) پھر حلق کرانا، (۵) اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا بہ شرطے کہ طواف قدوم کے بعد سعی نہ کی ہو۔۔۔ (۱۰۷)

لیکن احناف میں مولانا شاہ محمد عبدالشکور فاروقی (۱۸۷۷ء-۱۹۶۲ء) کے نزدیک بھی حج میں چھ فرائض ہیں:

(۱) احرام: یہ حج کے لیے شرط بھی ہے اور رکن بھی، اگر شرط نہ ہوتا تو زمانہ حج سے پیشتر احرام صحیح نہ ہوتا اور اگر رکن نہ ہوتا تو جس کو حج نہ ملے، اس کو احرام پر قائم رہنا درست نہ ہوتا۔

(۲) وقوف عرفات، گو ایک منٹ ہی کے بہ قدر ہو اور خواہ دن میں ہو، یا رات میں۔

(۳) طواف زیارت کا اکثر حصہ یعنی چار شوط۔

(۴) ان فرائض میں ترتیب کا لحاظ یعنی احرام کو وقوف پر مقدم کرنا اور وقوف کو طواف زیارت پر مقدم کرنا۔

(۵) ہر فرض کو اسی کے مقام مخصوص میں ادا کرنا یعنی وقوف کا خاص عرفات میں اور طواف کا خاص مسجد حرام یعنی کعبۂ مکرمہ کے گرد ہونا۔

(۶) ہر فرض کا اسی خاص وقت میں ادا کرنا، جو شریعت سے اس کے لیے مقرر ہے یعنی وقوف کا نویں ذی الحجہ کے ظہر کے وقت سے دسویں تاریخ کی فجر سے پہلے ادا کرنا اور طواف کا اس کے بعد ادا کرنا۔۔۔(۱۰۸)

واجبات :

احناف کے نزدیک واجبات حج چھ ہیں:

(۱) وقوف مزدلفہ۔

(۲) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

(۳) رمی جمرات۔

(۴) حلق یا قصر۔

(۵) قارن یا متمتع کے لئے قربانی کرنا۔

(۶) آفاقی کے لیے طواف صدر۔۔۔(۱۰۹)

شوافع کے نزدیک حج کے واجبات عامہ پانچ ہیں:

(۱) میقات سے احرام کی نیت کرنا۔

(۲) وقوف عرفہ کے بعد مزدلفہ میں حاضر ہونا، اگرچہ تھوڑی ہی دیر کے لیے ہو۔

(۳) رمی جمار۔

(۴) ایام تشریق کی اکثر تین راتیں منیٰ میں گزارنا۔

(۵) تمام محرمات حج سے دور رہنا۔۔۔(۱۱۰)

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک حج کے سات واجبات ہیں:

(۱) میقات سے احرام کی نیت کرنا۔

(۲) وقوف عرفہ نویں ذی الحجہ کے مغرب تک۔

(۳) لیلۃ النحر میں مزدلفہ میں رات گزارنا بہ شرطے کہ حاجی کو نگرانی اور پانی پلانے کی ذمے داری نہ دی گئی ہو۔

(۴) ایام تشریق کی راتیں منیٰ میں گزارنا بہ شرطے کہ حاجی ذمے داری نگرانی، یا پانی پلانے کی نہ ہو۔

(۵) رمی جمار میں ترتیب کا لحاظ رکھنا۔

(۶) حلق یا تقصیر۔

(۷) طواف وداع ــــ(۱۱۱)

حضرات مالکیہ کے نزدیک حج کے عام واجبات جو کسی رکن کے ساتھ خاص نہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) عرفات سے واپس جاتے ہوئے کچھ دیر کے لیے مزدلفہ میں رک جانا واجب ہے، بہ شرطے کہ کوئی عذر نہ ہو، بہ صورت عذر مزدلفہ میں کچھ دیر کے لیے رکنا لازم نہیں۔

(۲) دسویں ذی الحجہ کو طواف زیارت اور حلق سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرنا اگر رمی سے پہلے حلق کرالیا، یا رمی سے پہلے طواف زیارت کرلیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔ (یعنی ایک جانور کی قربانی کرنا ہوگی)

مالکیہ کے نزدیک نحر (قربانی) کے دن چار چیزیں مطلوب ہیں:

(الف) جمرہ عقبہ کی رمی کرنا، (ب) قربانی کرنا، (ج) حلق کرانا، (د) طواف زیارت کرنا۔

یہ چاروں چیزیں اسی ترتیب کے ساتھ انجام دی جائیں، جس ترتیب سے بیان کی گئی ہیں۔

جمرہ عقبہ کی رمی بہ ذات خود کرنا واجب ہے، اور اس کا وقت یوم نحر کے طلوع فجر کے بعد شروع ہوجاتا ہے، طلوع فجر کے بعد سے زوال آفتاب تک اس کا ادا کرنا مستحب ہے، زوال آفتاب کے بعد کرنا مکروہ ہے۔

(۳) اگر کوئی عجلت نہ ہو تو طواف زیارت کے بعد یوم نحر کی دوسری، تیسری اور چوتھی راتیں منیٰ میں گزارنا واجب ہیں، بہ صورت عجلت دوسری اور تیسری راتیں منیٰ میں گزارنا لازم ہیں، بہ شرطے کہ کہ تیسرے دن غروب آفتاب سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ ہوجائے، ورنہ چوتھی رات میں منیٰ ہی میں قیام کرنا لازم ہوگا اور رمی بھی لازم ہوجائے گی۔

(۴) یوم نحر کے بعد ایام تشریق کے تین دن، تینوں جمرات کی سات سات کنکریوں سے رمی کرنا لازم ہے، اگر زوال سے پہلے رمی کرلی اور زوال کے بعد دوبارہ رمی نہیں کی تو اس پر دم واجب ہوگا، اگر اس نے غروب آفتاب کے بعد رمی کی یا دوسرے دن رمی کی تو ایسی صورت میں بھی اس پر دم واجب ہوگا۔ امام مالک کے نزدیک ظہر کی نماز سے پہلے رمی کرنا مستحب ہے ــــ(۱۱۲)

منیٰ کی وجہ تسمیہ سطور بالا میں یہ بیان کی گئی ہے کہ منیٰ کے معنی خون بہنے کے آتے ہیں، چوں کہ ایام نحر میں یہاں قربانی کے جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور ان کا خون بہتا ہے، اس لیے اس مقام کو منیٰ کہا جاتا ہے، لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ اہل عرب اس جگہ کو بھی منیٰ کہتے ہیں جہاں کچھ لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ ایام حج میں یہاں لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے، اس لیے بھی اسے منیٰ کہا جاتا ہے، منیٰ حدود حرم میں داخل ہے ــــ(۱۱۳)

ــــ(جاری)

مآخذ اور حواشی :

(۹۳) حوالہ بالا ص: ۱۳۴، ۱۳۵۔
(۹۴) حوالہ بالا ص: ۱۳۵۔
(۹۵) حوالہ بالا ص: ۱۳۵، ۱۳۶۔
(۹۶) مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ سیرۃ المصطفیٰ جلد اول کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ص: ۱۷۲، ۱۷۳۔
(۹۷) عبدالرحمن الزجیری، الفقہ المذاہب الاربعہ، الجزء الاول، المکتبۃ العصریۃ بیروت ص: ۳۵۰۔
(۹۸) محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی مشکوۃ المصابیح، الجزء الثانی، دارالفکر بیروت، کتاب المناسک حدیث نمبر: ۲۰۵، ص: ۸۳۔
(۹۹) عبدالرحمن الزجیری، الفقہ المذاہب الاربعہ، الجزء الاول، المکتبۃ العصریۃ بیروت ص: ۳۵۰۔
(۱۰۰) مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد اول، فرید بکڈپو دہلی ص: ۴۲۴۔
(۱۰۱) علامہ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دارالدیان التراث قاہرہ مصر، جلد ثالث ص: ۴۴۲، ۴۴۳۔
(۱۰۲) علامہ ابن عابدین، شامی، جلد ثالث، مکتبہ نعمانیہ دیوبند ص: ۱۳۹۔
(۱۰۳) مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی، علم الفقہ، جلد پنجم، کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ص: ۴۱۳۔
(۱۰۴) عبدالرحمن الزجیری، الفقہ المذاہب الاربعہ، الجزء الاول، المکتبۃ العصریۃ بیروت ص: ۳۵۰۔
(۱۰۵) مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی، علم الفقہ، جلد پنجم، کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ص: ۱۴، ۱۵۔
(۱۰۶) حوالہ بالا ص: ۱۶۔
(۱۰۷) عبدالرحمن الزجیری، الفقہ المذاہب الاربعہ، الجزء الاول، المکتبۃ العصریۃ بیروت ص: ۳۵۴۔
(۱۰۸) مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی، علم الفقہ، جلد پنجم، کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ص: ۲۵۔
(۱۰۹) حوالہ بالا ص: ۲۵، ۲۶۔
(۱۱۰) عبدالرحمن الزجیری، الفقہ المذاہب الاربعہ، الجزء الاول، المکتبۃ العصریۃ بیروت ص: ۳۹۹۔
(۱۱۱) حوالہ بالا ص: ۳۷۰۔
(۱۱۲) حوالہ بالا ص: ۳۷۰، ۳۷۱۔
(۱۱۳) ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی، تاریخ مکہ مکرمہ مطابع الرشید، المدینۃ المنورۃ ص: ۱۱۳۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

مابعد کورونا
تبدیل ہوتی سماجی صورت حال

• صفی اختر ــــ ۳۲/۱۶۱، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی

سماجی نظریہ سے موجودہ دور کے ابھرتے ہوئے نت نئے چیلنجز کو سمجھنے کی شدید ضرورت ہے۔ کورونا وائرس جیسی آفاقی وبا (Pandemic) نے پوری دنیا کو جس انداز میں متاثر کیا ہے، اس کی نظیر انسانی زندگی میں شاید ہی کہیں موجود ہو۔ آج بھی کووڈ-19 عالم انسانیت پر پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہے، ایسی دردناک صورت حال تاریخ کے اوراق پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا، اس کے تحلیل وتجزیے کی تفہیم کا صحیح ادراک بھی مشکل سے مشکل تر ہوتا جارہا ہے۔ اس مبارزہ (Fightback) کا حملہ صرف جسمانی وجود پر محدود ہوتا تو کوئی اور بات ہوتی لیکن اس نے معاشی، سماجی، معاشرتی بنیادوں کو محض ہلایا ہی نہیں بلکہ منہدم کر دیا ہے۔ بظاہر اس کے منابع (Sources) چین سے دِکھتے ہیں لیکن طاقت کے سرچشموں کے لیے بارڈر کی زیروشپ ان کی غیر معمولی گرفت میں ہے۔ یہ وبا انسان کے انسان ہونے کی نوعیتوں پر سوال کھڑا کر چکا ہے۔ اب خوف کے سایے میں نہیں بلکہ ہیبت کی گھن گرج نے انسانوں کو اس کی حد کے اندر مقفل کر دیا ہے۔ گویا قوتِ اصلی کی دیرینہ خواہش اس وبا کے ذریعہ تکمیل پاتی دکھائی دیتی ہے۔

خالق کائنات کی عطا کردہ عقل سے بنی نوع انسان نے نہ جانے ترقی کی کتنی منزلیں طے کر لی ہوں گی۔ اس کے باوجود ابھی بھی اس کی ہمہ جہت کوششیں ترقی کو عبور کرنے کے لیے جاری ہیں، بلکہ رفتار میں مزید اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ ارتکاز دولت نے اسے زمانہ کی بلندیوں پر پہنچانے کے لیے ہر وہ طریقہ اپنانے پر مجبور کر دیا ہے جو انسانی سماج کے اقدار سے کلیتاً منحرف ہے۔

کسی سماج کی تشکیل ہم اور آپ سے ہوتی ہے، یعنی ایک انسان کا دوسرے انسان سے ایک رشتہ ہوتا ہے، جسے ہم

باہم ایک دوسرے سے مربوط دیکھتے ہیں۔ جب یہ سماج رشتوں پر مبنی تعلقات کو ختم یا مسترد کر دیتا ہے تو وہ سماج اپنی روح اور جان گنوا بیٹھتا ہے۔ سماجی نظام کا وجود سماج میں رہنے والے لوگوں کے افکار وخیالات سے ہی ہوتا ہے۔ خداوند کریم نے انسان کی جسمانی تخلیق کے ساتھ اس کے اندر کچھ اہم فطری صلاحیت (Innate Qualities) ودیعت کی ہیں، جو کسی مہذب معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے۔

اُنس ومحبت، الفت، ہمدردی، دردمندی (Compassion) اور دیگر خصوصیات سے انسان کو آراستہ کیا گیا ہے، تاکہ وہ انسانوں کے لیے باعث رحمت سمجھا جائے۔ جب ان خصوصیات سے اُسے بہرہ ور کیا جاتا ہے تو وہ خدمت خلق کو اپنا فریضہ اور نصب العین بنالیتا ہے۔

موجودہ حالات میں جس طرح سے سماجی دوری (SocialDistancing) کو بڑھاوا دیا جارہا ہے وہ کسی وبا سے کم خطرناک نہیں۔ وبائی امراض سے بچنے کے لیے جسمانی دوری (PhysicalDistancing) اختیار کرنے کے احکامات جاری کیے جاسکتے تھے، لیکن ایسا ہوا نہیں۔ کیا حکومت، کیا عوام، ہر کوئی سماجی دوری کی وکالت کر رہا ہے، کیا سماجی دوری کا نام دے کر انسانی سماج کو پردۂ خفا میں کوئی اور پیغام دینے کی کوشش کی جارہی ہے؟ مذہبِ انسانیت کی اساس پر کم سے کم ایک انسان کا دوسرے انسان سے رشتہ نہیں ہونا چاہیے؟ وہ بھی ایسے دور میں جہاں تالہ بندی (Lockdown) کی وجہ سے معیشت تباہ وبرباد ہو چکی ہے۔ غربت وافلاس اپنے نئے اور خوفناک چہرے کے ساتھ منہ پھاڑے کھڑی ہے۔ غریبی اور پسماندگی نے لوگوں کو خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ عوام بے انتہا مصیبت میں زندگی گزار رہی ہے اور نہ جانے خود انہی وجوہات سے سماجی سطح پر کس قدر بڑے نقصانات اور نتائج سامنے آکر کھڑے ہوں گے، اس کا فی الحال اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

سماجی دوری کلچرل ڈائیلاگ کو بھی اپنے ساتھ ختم کر دے گی، آج Artificial Intelligence نے لوگوں کی ضرورتوں کو لگ بھگ ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ آنے والے دور میں مصنوعی ذہانت جب لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھے گی تو عام لوگ جنہیں دو وقت کی روٹی مینوئل ورک کے ذریعہ میسر ہوا کرتی ہے، آخر وہ کہاں سے اپنے لیے اور اپنے خاندان کی ضرورتوں کے لیے کسبِ معاش کر پائیں گے؟

ایسے نازک دور میں انسانیت کو انسانیت نوازی اور جذبۂ ہمدردی کی سخت ترین ضرورت ہے تاکہ لوگوں کے دکھ درد کو بانٹا جاسکے اور سماجی شیرازے کو بکھرنے سے بچایا جاسکے۔ ایسے وقت میں ہمیں سماجی دوری قطعاً اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ بحیثیت ''خیر امت'' ہماری دینی ومذہبی ذمہ داری ہے کہ ہم دنیا کے سامنے ایسا ماڈل پیش کریں جو ہمارے آقائے نامدار، ہادیٔ اعظم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انسانی دنیا کو 1436 سال قبل دیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کا تاریخی خطبہ موجودہ حالات کے پیش نظر وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

کورونا (Corona) وبا ہے اور یہ ایک میڈیکل ایشو ہے، عین ممکن ہے کہ یہ فطرت کا ایک چیلنج ہو کہ آؤ اور اپنے اندر کی آدمیت کو باہر نکالو، یعنی بہت ہوگیا!! فطری طور پر طبیعیاتی علوم کا اپنے Controlled Order سے یہ امید لگانا عبث ہے کہ وہ انسانی بنیاد پر کچھ پیش بھی کرے۔ جس تیزی کے ساتھ دورانِ کورونا سیاسی واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں، اس سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ ''پس کورونا'' کچھ اور ہے اور ''پیشِ کورونا'' کچھ اور۔ ابھی تک بظاہر معاصر سائنسی دنیا، گویا اس اہم سانحے کے سامنے طفل مکتب نظر آرہی ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر سائنسی علوم کی نارسائی نے مزید انسانوں کو مقید و مقفل کرنے کے راستے وا کر دیئے ہیں۔ مغرب کی بات یہ ہے کہ جہاں سے کورونا کی Mathematical modulation ہوگئی ہے، جس نے علمی جواز فراہم کر کے پوری دنیا کو مقفل کیا ہے، خود اس کے سربراہ، پروفیسر فرگیوسن، لاک ڈاؤن کی دھجیاں اُڑاتے پکڑے گئے:

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطّار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

کورونا میں لاک ڈاؤن کبھی ممکن ہو ہی نہیں سکتا تھا، جب تک کہ میڈیا اپنی قوت کو بروئے کار نہ لاتا۔ اس نے جس طرح دہشت کی تجارت کی، اور اسے آفاقیت بخشی گئی، گویا آدمی کو اب انسان ہونا میسر نہ ہو، میڈیا کی طاقت کے خوف کی تجارت نے انسان کی فطری خشیت کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ اس کورونا کے نام پر خوف اور خوف کی تجارت نے عالمی قوتوں کو گویا "Police State" بنانے کا جواز فراہم کر دیا ہے۔ اس سے پہلے طاقت اپنے آئینی پنجے گاڑنے کے لیے جن جواز کا طالب تھا، اب کورونا نے وہ سارے جواز طاقت کے سرچشموں کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ یہ سب کچھ سازشی نظریات سے ماورا ایک واقعات کی کڑی (Chain) ہے جو اب مابعد کورونا ابن آدم کے لیے انسان بننے کے جو Remnants تھے، وہ راستے بھی معدوم ہو چکے ہیں۔ دنیا آگے Multipolar ہو یا نہ ہو، لیکن اب انسان اپنی فکری و علمی Polarity سے دُور ایک ہیبت زدہ Biological Organism ہو چکا ہے۔ کورونا نے ایک خاص قسم کی طفلانہ مذہبیت کا عروج بھی دیکھا ہے، جس میں بظاہر مغرب کی علمی انا ہے۔

دولت کا ارتکاز اور طاقت جب اصول بن جائے تو ظلم و جبر اپنے مختلف Manifestations کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ کوئی معاشرہ، کفر کے ساتھ تو شاید رہ سکتا ہے لیکن ظلم کے ساتھ وہ باقی نہیں رہتا۔ جب لوگوں کے پاس بچا کھچا سرمایہ بھی چھین لیا جائے گا تو ناانصافی اپنے عروج پر پہنچے گی، جسے سرمایہ دار طبقات (Capitalist Class) اپنی کامیابی و کامرانی کو بزنس ویژن کا نام دے کر اپنے ڈرائنگ روم میں جشن مسرت منائیں گے۔ اسلام میں اس بات کو بڑی اہمیت دی گئی کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ تقسیم ہو اور گردش میں رہے۔

ظلم کی سب سے بدترین قسم یہ ہے کہ لوگوں کے جائز حقوق کو سلب کرلیا جائے۔ ہندوستانی آئین کی دفعہ ۳۹ر کے تحت حکومت کو یہ ذمہ داری تفویض کی گئی ہے کہ وہ دولت کے استحصال کو روکنے کی کوشش کرے گی اور معاشی نابرابری کو ختم کیا جائے گا، لیکن حالیہ دنوں کے فیصلوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نہ صرف عدم مساوات کو بڑھاوا دیا گیا ہے بلکہ لوگوں کو اپنی موت آپ مرنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔

سوشیولوجسٹ کے نظریہ سے اگر ہم موجودہ وقت کے اُتھل پُتھل پر غور کریں گے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قومیت کے تصور کو بدلنے کی کوشش ہوسکتی ہے۔ مختلف النوع سماج جہاں ہر طرح کے خیالات ونظریات کے ماننے والے لوگوں کے رہنے کی گنجائش ہوگی، سچ تو یہ ہے کہ Societal Cohesion, Cultural Diversity اور National Integration کو فروغ دینے اور لوگوں کو دعوت دینے کے لیے یہ نظام بنایا گیا ہے، بظاہر وہ دلفریب معلوم ہوتے ہیں، مگر تلخ حقیقت یہ ہے کہ Multiculturalism کے نام پر لوگوں کے اپنے تشخص کو ختم کرنے کی عیارانہ کوشش کی جارہی ہے۔ بغیر کسی آئیڈنٹیٹی کے کوئی قوم رہ نہیں سکتی۔ قوم کی حیات وموت اس کی انفرادیت (Distinctiveness) میں پوشیدہ ہے۔ اگر قوم منفرد نظریہ پیش نہیں کرے گی تو کیسے اس دنیا میں رہنے والے لوگوں کو متبادل اقدار (Alternative Values) سے متعارف ہونے کا موقع ملے گا۔ اس بھاگ دوڑ کی زندگی میں شخصی انفرادیت کا جو بحران اور طغیانی ہے، وہ عیاں ہے۔ مغرب ہر زمانے میں اس پریشانی میں مبتلا رہا ہے، لیکن اس Artificial Intelligence کے دور میں وہ بحران نہ صرف شخصی رہا ہے بلکہ اس نے پورے انسانی سماج کو اپنے شکنجے میں کس لیا ہے۔ مادیت (Materialism) کے ضمن میں Pluralism تو اپنے مختلف Cultural Variants کے ساتھ اپنی ضرورتیں تو شاید پوری کرسکتا ہے، لیکن سماجی زندگی میں فرد کی اصل (Individuality) کے ساتھ کھلواڑ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ٹکنالوجی نے جس طرح ہماری زندگی میں اپنی پیٹھ مضبوط کی ہے، اس نے سب سے بڑا خطرہ تو انسان کے انسان ہونے پر ہی سوالیہ نشان کھڑا کردیا ہے۔ ٹکنالوجی کی وساطت سے اطلاعات کا جو سیلاب ہمیں مہیا ہورہا ہے، اس پر بھی ہمیں سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ موجودہ جدید آرڈر اچانک ہی نہیں اُبل پڑا بلکہ جس بطن سے پیدا ہوا ہے وہ اپنی خمیر میں عناصر چنگیزی شامل کرچکا تھا۔ کورونا کے پیچھے جو مقاصد کارفرما ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ انسانوں کو Digitally Connect کیا جائے، یعنی انسان کا آپسی تعلق محض ایک Digital Relation تک ہی محدود رہے، جو آئی ٹی انڈسٹری کافی طویل عرصے سے چاہ رہی تھی، حالیہ کورونا نے ایک طرح کا Catalyst فراہم کردیا ہے کہ اب خود ہماری جانب سے بھی Rapid Digitalisation کا مطالبہ ہوچکا ہے۔

ہمیں یہ ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ انسان ایک حیوانی وجود نہیں بلکہ اخلاقی وجود ہے، اس کی ہیئت میں یہ چیز شامل کر

دی گئی ہے کہ وہ اپنی فطرت کے ساتھ متعلق رہے، لیکن جب انسان بظاہر (Virtually) کسی کے ساتھ رابطے میں ہوتا ہے تو وہ بھی اپنی فطری بناوٹ سے دُور ایک خاص قسم کی مصنوعیت کا شکار رہتا ہے۔ بظاہر محسوس تو یہ ہوتا ہے کہ Digital Object کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں، لیکن ڈیجیٹل ورلڈ خاص طور پر Silicon Valley کی چنگیزیت کا اگر ہم میں سے کسی کو ادراک ہو جائے تو موبائل استعمال کرنا اپنے اوپر حرام کر لے۔ نئے نئے Apps آرہے ہیں اور بتدریج لوگ ہر آن اپنی سرگرمیوں سے اپنی نجی زندگی کا ازخود پتہ دے رہے ہیں۔ انسان مشینی وجود نہیں ہے، لہٰذا، اسے چاہیے کہ عقل کو عقل کی طرح استعمال میں لائے، نہ کہ Artificial Intelligence کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔ Digital Setup ہمارا پورا ذہنی خاکہ/ مواد، Digitally Constructed Mind میں متشکل کر دیتا ہے۔ ہمیں ممکن ہے کہ معلومات کا ذخیرہ ایک Fingertip پر فراہم کر دیا گیا ہو، لیکن بحیثیت مسلمان جس علم کی تحصیل ہم پر فرض کی گئی ہے، کیا اس کا حصول اس نظام سے کیا جا سکتا ہے؟

کیا اس چکا چوند نے ہمیں اپنے بارے میں اور اپنے افرادِ خاندان اور کمیونٹی کے بارے میں سوچنے کا وقت دیا ہے؟ اپنی بچیوں، اپنے گھر والوں، اپنے خاندان یا قوم وملت کے تعلق سے ہمیں کوئی خیال ذہن کے کسی گوشے میں رہتا بھی ہے یا نہیں؟ یہ دلیل پیش کی جائے کہ ٹکنالوجی محض ایک ذریعہ ہے جس سے ہم اپنی قوم وملت کی فکر کے ساتھ خدمت بھی کر سکتے ہیں تو یہ بات کسی حد تک درست ہو سکتی ہے، بشرطیکہ آپ خود Content Creator ہوں اور کسی بیانیہ (Narrative) سے متاثر نہ ہوئے ہوں۔ ہمیں ٹکنالوجی کے تکنیکی پیچیدگیوں پر بھی غور کرنا چاہیے، تاکہ ہمیں یہ اندازہ ہو کہ ہم محض صارف (Consumer) نہیں بلکہ Provider بھی ہیں۔

آج سے ایک صدی قبل ایک معروف سوشیولوجسٹ نے لکھا تھا کہ:

"Human beings do not generally respond to circumstances or events in a mechanical or predetermined manner. Rather, their actions are often guided and shaped by choice."

اس سوشیولوجسٹ نے یہ بھی کہا کہ پہلے Technical Penetration اتنا نہیں تھا، جتنا آج ہے۔ آج تو ہر سانس پر مشین آپ کے سامنے ہے اور آپ کی رہنمائی کے لیے تیار ہے۔ بہرکیف، ہمیں نہایت سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم کس طرح اپنی زندگی کی ضرورتوں اور سماجی تعلقات اور رابطے کی کڑی میں بحیثیت مسلمان، توازن (Balance) برقرار رکھیں گے؟

ڈیجیٹلائزیشن ایک ایسا پروسیس ہے جو انسانوں کو وہ ساری انفارمیشن بآسانی فراہم کرا دینا چاہتا ہے کہ وہ اس سرمایہ دارانہ نظام کے لیے کوئی انجیکشن، کوئی نٹ بولٹ یعنی ایک کارآمد پرزہ بن جائے۔ لہٰذا اس کا استعمال ہمیں غیر معمولی باریک بینی کے ساتھ (Vigilantly) کرنا ہوگا۔

کچھ سلور لائننگ بھی اس وبا سے نظر آتی دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً کورونا نے وحدتِ انسانی کا ایک احساس پوری نوع انسانی کو دیا ہے۔ حالانکہ اس کا فطری ادراک ہوا تو ہے، لیکن بہت دیر سے ہوا ہے۔ ایک خاص قسم کی مکاشفانہ اور معجزانہ مذہبیت کا خاتمہ بھی ہوگا۔ گویا اب توہمات کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔ اب انسان چاہے تو آدمیت کے ماحول میں جی سکتا ہے۔ مسلم قومیت، ایک عالمگیر انسانی معاشرہ کا نجات دہندہ بننا چاہے تو ایک بہترین موقع پا سکتی ہے۔ جس طرح مزدوروں کی ہیبت ناک ہجرت کی تصویریں آئی ہیں، اس نے صدی پہلے کی نو آبادیاتی بندھوا مزدوروں کی یاد دلادی ہے، جس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ سرمایہ دارانہ عفریت کے خلاف ایک عالمگیر نفرت کی فضا پروان چڑھنے کا امکان ہوگا۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

دنیائے علم وادب کا مقبول عام سہ ماہی مجلہ "المجیب" خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ترجمان — ایک دینی، علمی وادبی مجلہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ملک وبیرون ملک ہر جگہ اس رسالہ کو کی غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ رسالہ علماء، ادباء، معلمین ومتعلمین، افسران وعہدہ داران بلکہ ہر خاص وعام کے ذوق مطالعہ میں رہتا ہے — اور ہر طبقہ وجماعت کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا باذوق تاجرین اور تنظیم وتحریک کے مالکان سے پرخلوص گذارش ہے کہ اس مقبول ترین رسالہ میں اپنا اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں — اور اپنے نام و پتہ کے ساتھ پیشگی رقم ارسال فرمائیں۔ اشتہارات کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	8,000/-	نصف صفحہ	4,000/-	چوتھائی صفحہ	2,000/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	7,000/-	نصف صفحہ	3,500/-	چوتھائی صفحہ	1,750/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم کا چیک یا ڈرافٹ ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔ چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ رقم ارسال کرتے وقت صرف "DARUL ESHA'AT" تحریر کریں۔

قند پارسی

● حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

نہ تنہا نقشِ حسنِ روئے او چوں مہر تاب ایں جا ❁ کہ ایں دیباچۂ معنیٔ مضمونِ کتاب ایں جا
مسمی خود سراپا لائق حمد و ثنا آمد ❁ بخواں صَلِّ عَلَیْہِ لَاتُعَدُّ و بے حساب ایں جا
برائے العین آید یا بخواب آید ہمہ لطفش ❁ بقدر استطاعت ہست ہر کس فیض یاب ایں جا
بعرصات غنا حل کرد لفظ لا اُبالی را ❁ ندا از غیب ملہم داد رحمت بر عتاب ایں جا
نظر بر راہ و منزل دل بیادش رخ بسوئے او ❁ مرا رخت سفر بر دوش و پایم بر رکاب ایں جا
ز اوہام اضافات و نسب خود را مجرد کن ❁ کہ جاں از رشتۂ داری و دل در انتساب ایں جا
نظر بر ہر قدم دارند ہشیارانِ رہ ہر دم ❁ ز رفتار نفس گیرند بیداراں حساب ایں جا
حدیث نفس در طول امل بگذار در دنیا ❁ کہ صد نقشِ امانی دیدہ ام مثل حباب ایں جا
نافتد گہ نگہ بر مشتبہ در عالم فانی ❁ کہ موجِ آب عیش زندگی، برق سراب ایں جا
نمی گردد قصور از ضوء مہر تاب در عالم ❁ تو خود چوں سایہ می سازی حجاب از آفتاب ایں جا
دلیلم از کلام اللہ خود اظہر من الشمس است ❁ چو او در من بود اے دل کجا باشد عذاب ایں جا
اگر رحمت بجوش آید بلا قید عمل بینم ❁ کرم ایں جا، عطا ایں جا، جزا ایں جا، ثواب ایں جا
حریفم را چہ جرأت چوں کند اصغا باسرارم ❁ تعاقب می کند او را چو ہر لحظہ شہاب ایں جا

نگہ دارندہ باشی تو دریں دار عمل ثاقبؔ
کہ از ہر لمحہ ہشیارند بیداراں زخواب ایں جا

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

نعت شریف

● امان خاں دلؔ ــــ شوگر لینڈ، ہیوسٹن، امریکہ

سرورِ دو جہاں، مرسل مرسلاں، آفتاب رسالتؐ کی کیا بات ہے
وہ فصیح البیاں وہ بلیغ اللساں، انؐ کی فہم وفراست کی کیا بات ہے
جن کی آمد سے انساں کو عظمت ملی، دین کی بے بہا ہم کو دولت ملی
جن کے نقش قدم سے ملیں منزلیں، انؐ کی اعلیٰ قیادت کی کیا بات ہے
رخ پہ ان کے عیاں نور فرقان ہے، اسوۂ مصطفیٰؐ شرح قرآن ہے
ہے جمال نبیؐ پر خدا بھی فدا، اس خدا بھاتی صورت کی کیا بات ہے
ہے مقام نبیؐ رو بروئے خدا، اللہ اللہ رے عظمت مصطفیٰؐ
افضل الانبیا، مرحبا مرحبا، انؐ کی ذی شان رفعت کی کیا بات ہے
بے کسوں کے وہ ملجا وماوا بھی ہیں، بے نواؤں کے والی و داتا بھی ہیں
انؐ کے لطف و کرم کی کوئی حد نہیں مصطفیٰؐ جان رحمت کی کیا بات ہے
شکر رب ہے کہ ہم انؐ کے شیدا ہوئے شاہ بطحاؐ کی امت میں پیدا ہوئے
رہنما جس کے سرکار طیبہؐ ہوئے، ایسی شہکار امت کی کیا بات ہے
انؐ کی اپنوں پہ بھی ہے نگاہ کرم، غیر کا بھی وہ رکھتے ہیں اے دلؔ بھرم
ہے وہ ذات مقدسؐ کرم ہی کرم، ان کے خلق ومروت کی کیا بات ہے

* * * * * * * * * *

نبوت کا نقشِ ہدا ڈھونڈتا ہوں

● وارث ریاضی ــــ کاشانۂ ادب، سکٹا (دیوراج)، ڈاک خانہ بسوریا، مغربی چمپارن

دیارِ رسولِ خدا ڈھونڈتا ہوں ❁ دبستانِ رشد و ہدا ڈھونڈتا ہوں
نہ ہو کوئی راہِ عقیدت میں حائل ❁ کہ میں روضۂ مصطفیٰؐ ڈھونڈتا ہوں
مرا مذہبِ عشق حب نبیؐ ہے ❁ بہ ہر حال ان کی رضا ڈھونڈتا ہوں
الٰہی! ترے عالمِ کُن فکاں میں ❁ نبوت کا نقشِ ہدا ڈھونڈتا ہوں
دیا ہے یہ پیغام میرے نبیؐ نے ❁ کہ دنیا میں سب کا بھلا ڈھونڈتا ہوں
زمانہ مخالف ہے، دنیا ہے دشمن ❁ خدایا! ترا آسرا ڈھونڈتا ہوں
وہ عہدِ رسالت کا نظمِ حکومت ❁ وہ دورِ شہؐ انبیا ڈھونڈتا ہوں
امور سیاست میں صدیقؓ جیسا ❁ زمانے میں فرماں روا ڈھونڈتا ہوں
عمر ابن خطابؓ کا عدلِ محکم ❁ وہ عثمانؓ کے حلم و سخا ڈھونڈتا ہوں
علی ابن طالبؓ کے علم و تفقہ ❁ ابوذرؓ کے فقر و غنا ڈھونڈتا ہوں

جہاں دل کو تسکین ملتی ہے وارثؔ
وہ شہرِ حبیب خدا ڈھونڈتا ہوں

* * * * * * * * * *

خراجِ عقیدت

بہ بارگاہ سیدہ زینب الکبریٰ بنت سیدہ فاطمۃ الزہرا علیہما السلام

● محمد آیت اللہ قادری پھلواروی

گلشن امامت ہے مشکبار زینب سے
ہے وجودِ شبیری ذی وقار زینب سے

لا الٰہ ہے باقی اور نمازیں زندہ ہیں
رخ پہ ہے شریعت کے یہ بہار زینب سے

حشر تک ہے پایندہ دیں جہانِ فانی میں
دین حق نے پایا ہے یہ حصار زینب سے

فتح کر کے آتی تھی جب بھی معرکہ کوئی
ہنس کے بات کرتی تھی ذوالفقار زینب سے

ہر طرف ہے باطل پھر ہر طرف یزیدی ہیں
دیں ہے پھر سے نرغے میں ہے پکار زینب سے

مسجدوں پہ پہرے ہیں، مدرسے مقفّل ہیں
جرأتیں ہماری ہیں شرمسار زینب سے

حشر میں ہمیں رکھنا اہل بیت کا خادم
التجا ہے آیتؔ کی بار بار زینب سے

* * * * * * * * * *

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ❁ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی..... کچھ دوسروں کی

اُمید کی کرن پر اظہار تشکر :

ترکی کی عدالت عالیہ نے حال ہی میں ایک تاریخی فیصلہ سنایا ہے۔یعنی ایاصوفیا کی عمارت کو دوبارہ مسجد کی سابقہ حیثیت دے دی ہے،عدالت کا یہ فیصلہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ہر انصاف پسند شخص کی خوشی کا باعث ہے۔

ایاصوفیہ جو کہ فتح قسطنطینیہ سے قبل تک عیسائیوں کا بڑا مذہبی مرکز تھا،جہاں سے ہزار سال تک عیسائیت کی تبلیغ وترویج ہوتی رہی، پندرہویں صدی عیسویں میں جب سلطان محمد الفاتح نے شہر قسطنطینیہ کو بزور قوت فتح کیا تب بھی انہوں نے اس عمارت پر جبراً قبضہ نہیں کیا، بلکہ عیسائیوں سے اس عمارت کو خریدا اور پھر اسلامی فن تعمیر کی خوبصورتیوں سے آراستہ کرا کر اس عمارت کو مسجد کے لئے وقف کیا اور باضابطہ وقف نامہ بھی تحریر کیا (جو اس وقت تک ترکی کے دارالحکومت انقرہ میں موجود ہے اور سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ وقف نامہ پوری دنیا میں مشہور ہو چکا ہے) اس وقت سے یہ عمارت مسجد ایاصوفیہ کے نام سے مشہور رہے اور تقریباً پانچ سو سال تک اس مسجد میں نماز بھی ہوتی رہی،لیکن ۱۹۳۱ء میں پہلی جنگ عظیم میں جب خلافت عثمانیہ کو شکست ہوئی تو یہودیوں کی فری میسن کلب نامی تنظیم کے سربراہ مصطفےٰ کمال نے (جو خود بھی یہودی تھا) خلیفہ کو معزول کر کے جلاوطن کر دیا اور پورے ملک سے اسلامی اقدار وثقافت کو ختم کرنا شروع کیا تو مسجد ایاصوفیہ کو بھی ۱۹۳۵ء میں ایک میوزیم کی شکل دے کر مسجد کی حیثیت ختم کر دی تھی۔

اب ۸۵ رسال کے بعد ترکی کے قابل فخر صدر حافظ رجب طیب اردگان کی کوششوں سے ترکی عدالت نے

منصفانہ فیصلہ کرتے ہوئے اس قدیم اور عالی شان مسجد کو پھر اپنی سابقہ حیثیت پر بحال کر دیا ہے، ترکی صدر کی یہ عظیم دینی کارنامہ ہے، مسلمانان عالم میں اس سے خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے، کئی مسلم ممالک نے اس کی تائید وتحسین کی ہے، لیکن مغربی ممالک اور مغرب کے زیر اثر بعض مسلم ممالک بھی خوش نہیں ہیں اور صدر محترم کے اس فیصلے کو ناانصافی قرار دے رہے ہیں، حالانکہ یہود ونصاریٰ نے کتنی بڑی بڑی مساجد پر قابض ہو کر ان کو نمازوں سے محروم رکھا ہوا ہے، مسجد قرطبہ اور مسجد اقصیٰ کی مثال سامنے ہے، لیکن اس ظلم پر کہیں سے آواز نہیں اُٹھتی ہے اور ایا صوفیہ کو دوبارہ مسجد بنانے پر عیسائیت نوحہ کناں ہے۔

رجب طیب اردگان جیسے مرد مجاہد کی ذات عالم اسلام کے لئے امید کی کرن ہے، امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ایمانی جذبے سے ترکی کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کی کوشش کریں گے اور عالم اسلام کی بگڑتی صورت حال کی اصلاح کریں گے، مسجد ایا صوفیہ کی بازیابی پر ہم ترک صدر کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں، ان کو ہمہ وقت نصرت الٰہی حاصل رہے اور اللہ ان کی حفاظت کرے ــــ ایدہ اللہ بروح القدس۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی توہین :

ہمارا پیارا وطن ہندوستان جو دنیا کی بڑی جمہوریت والا ملک ہے، یہاں جس قدر جدا جدا تہذیب وتمدن اور عقائد و مذاہب کے افراد رہتے ہیں وہ دنیا کے دوسرے ممالک کے لئے ایک بڑی مثال ہے، لیکن نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ آج کس طرح ہمارا وطن عزیز خطرناک اور تباہ کن دور سے گزر رہا ہے، جب سے ہندوستان میں نفرت اور مذہبی تعصب کی آگ بھڑکانے والے لوگ اقتدار میں آئے ہیں، زیادہ تر ٹی وی چینل انہی کے زیر اثر ہیں اور ان ہی کی زبان بولتے ہیں، مسلمانوں کے خلاف بولتے ہیں اور سچائی کو چھپاتے ہیں، یہ اپنی نوعیت کی الگ دہشت گردی ہے، ذرائع ابلاغ یعنی میڈیا کے ذریعہ مسلمانوں کی دل آزاری کے بہت واقعات اب تک پیش آچکے ہیں، حکومت کے زیر اثر میڈیا کے لوگ مسلمانوں کو ہی نشانہ بناتے ہیں، حالانکہ میڈیا کا کام صرف برسر اقتدار پارٹی کی اچھائی کو ہی بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی ان زیادتیوں کو بھی عوام کے سامنے لانا ہے جو اس ملک میں رہنے والوں کے ساتھ ہوتی رہتی ہیں۔

اسلام تمام مذاہب کے احترام کا سبق دیتا ہے، اسلام ہمیشہ اچھی باتوں اور اچھے اخلاق کے ذریعہ پھیلا ہے اور پھیلتا رہے گا، تشدد اور منافرت کی اسلامی معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں، سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کی آفاقی شخصیت بلاتفریق مذہب وملت تمام انسانوں کے لئے واجب الاحترام ہے، حضرت خواجۂ بزرگ قدس سرہٗ نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں یکساں طور پر قابل تعظیم ہیں، تمام مذاہب کے لوگ ان سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں، ملک کے سبھی سیاسی رہنما خواہ ان کا تعلق کسی بھی پارٹی سے ہو، ہر عرس کے موقع پر آپ کے مزار پُر انوار پر چادر اور پھولوں کی شکل میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں، آپ کے آستانۂ عالیہ پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ برادران وطن بھی بصد خلوص ومحبت حاضری

دیتے ہیں اور اپنی مانگی مرادیں پاتے ہیں، گویا کہ آپ کی ذات اقدس پوری انسانیت کے لئے مفید اور نفع بخش ہے۔

نہایت قابل افسوس بات ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مرکز عقیدت، نامور اور معروف ومقبول بزرگ کی شان اقدس میں ایک اسلام وانسان دشمن، شیطان صفت شخص نیوز 18 چینل کے اینکر امیش دیوگن نے گستاخی کی ناپاک جرأت کی اور حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی کردار کشی کرکے نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام ہندوستانیوں کی دل شکنی کی ہے، اس ملعون کی اس حرکت سے سب لوگوں کو تکلیف پہنچی ہے۔

اس ملک عزیز ہندوستان میں سبھی مذاہب کے ماننے والے موجود ہیں، سارے مذاہب اور مذہبی پیشوا قابل احترام ہیں، سب کا احترام ہونا چاہئے، کسی کی توہین کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے اور نہ کبھی کسی کو اس کی اجازت ہونی چاہئے، مردود زمانہ امیش دیوگن کو حضرت خواجہ صاحب کی شان میں گستاخی کی اجازت کس نے دی؟ اس کے ناپاک منہ میں یہ گستاخانہ فقرہ کس نے ڈالا؟ اس کی پشت پر کس کا ہاتھ ہے؟ اس کی مکمل تحقیق وتفتیش ہونا لازمی ہے اور مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانا از حد ضروری ہے، مگر پریس کونسل آف انڈیا اس معاملے میں خاموش کیوں ہے؟ یہ حیرت اور افسوس کی بات ہے، میڈیا کی خاموشی اور مرکزی حکومت کی بے حسی سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے جو شر پسند عناصر کی پرانی عادت ہے، کیوں کہ شر پسندوں کا ایک طبقہ ہے اور میڈیا کا ایک فتنہ پرور گروپ ہے جو رات ودن اسی کوشش میں لگا ہوا ہے کہ ماحول کیسے خراب کیا جائے، کیسے ہندو مسلم فساد کرایا جائے، اسی مقصد کے تحت حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی شان میں بدتمیزی کی جسارت کی گئی ہے جس کو ہمارے اسلاف پر تخریبی تنقید کا بڑا حملہ ہی سمجھا جائے گا جس کی کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی شان میں گستاخی کا معاملہ کوئی معمولی معاملہ نہیں ہے جو سن کر خاموش بیٹھ جائیں، بلکہ توہین شخصیت اور سب کے دلوں کو ٹھیس پہنچانے کے جرم میں مجرم کو سخت سزا دینے اور ایسے چینل پر عبرتناک کارروائی کرنے کا ہم مطالبہ کرتے ہیں اور ریاستی ومرکزی حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ ظالموں اور شر پسندوں پر فوراً نکیل کسیں تاکہ صحافت اور ترسیل کے نام پر نفرتیں پھیلانے کا سلسلہ بالکل بند ہوجائے جو ملک اور معیشت کو دیمک کی طرح کھائے جارہا ہے اور جس سے ملک کی گنگا جمنی تہذیب اور یکجہتی ویگانگت کی فضا مسموم ہوتی جارہی ہے۔

ہمارا ملک موجودہ مصائب وآلام اور آسمانی آفتوں سے جس طرح نبرد آزما ہے، یہی تو ناقابل برداشت ہے، مزید برآں آپسی اخوت ومودت کے ماحول کو تار تار کرنا اور ہندو مسلم جھگڑوں کو ہوا دینا نہایت لائق ملامت ومذمت ہے، افسوس کہ ملک دشمن طاقتیں آئے دن نت نئے فساد کرکے مسلسل ملک اور معیشت کی بربادی کا سودا کررہی ہیں اور اس محبت بھری فضا میں زہر گھولنے کا کام کررہی ہیں اور ہندو مسلم بھائی چارگی کے ماحول میں عداوت ومنافرت اور غیر دستوری قوانین کی سازشیں کرکے ملک کو بد سے بدتر بنانے کی ناپاک کوششیں کررہی ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری حکومتوں کو صحیح سوچ عطا کرے اور ہمارے ملک کو ہر قسم کی تباہی وبربادی اور آفت سے محفوظ ومامون رکھے۔۔۔ آمین

آج کے حالات :

آج ساری دنیا ایک ناگہانی خوف میں مبتلا ہے۔۔۔ موت کا خوف۔ یوں تو موت لازمی ہے آنی ہی ہے لیکن اس حقیقت کو جاننے کے باوجود لوگوں کی نیندیں اُڑی ہوئی ہیں۔ غالبؔ نے تو پہلے ہی کہا تھا :

موت کا ایک دن متعین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آج موت کے ڈر سے ساری دنیا کی نیندیں اڑ گئی ہیں اور وہ حد درجہ پریشان ہیں، ہمارا ملک ہندوستان بھی کچھ ایسے ہی حالات سے گزر رہا ہے۔ یہاں بھی ملک کے مختلف حصوں میں کورونا وائرس اپنے پیر پھیلا رہا ہے، ایک کے بعد دوسرا شہر متاثر ہو رہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس سے متاثر لوگوں کا علاج بھی ملک کے مختلف شہروں میں تیزی سے ہو رہا ہے اور لوگ صحت یاب بھی ہو رہے ہیں لیکن متاثر لوگوں کی بڑھتی تعداد کی وجہ سے خوف و دہشت کا بھی عجیب عالم ہے۔ کورونا وائرس کے بڑھتے اثرات کو روکنے کے لئے حکومتی اداروں نے جو اقدامات کئے ہیں ان پر سختی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے خاص کر آپسی فاصلہ اور گھروں میں بند رہنے کو اس کا سب سے مؤثر علاج بتلایا جا رہا ہے۔ ایک خاص بات جو دیکھی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ اس مہلک مرض کا بہترین علاج اسلام نے دو ہزار سال پہلے ہی بتلا دیا ہے۔ اپنے جسم، قرب و جوار اور گھر محلوں کی صفائی، بازاروں اور شاہراؤں پر بلا وجہ گھومنے پھرنے سے پرہیز، باہر کے کھانے کی چیزوں سے حتی الامکان پرہیز اور زیادہ سے زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں لگانے کی کوشش یہی اعمال ہیں جن کا حکم اسلام نے دیا ہے اور آج اس پریشانی اور مہلک بیماری کے دور میں ساری دنیا، بڑے بڑے ڈاکٹرس، سائنس داں اور مفکرین انہی چیزوں کو اس مہلک مرض کا سب سے بہترین علاج بتا رہے ہیں۔

یہ سب باتیں تو اس مہلک مرض سے متعلق ہیں لیکن اس مہلک مرض کے بڑھنے سے حکومت کے پہلے سے طے شدہ اقدامات پر روک لگ گئی ہے، ان معاملات پر روک لگ گئی ہے جن کی ابتداء حکومت کر چکی تھی۔ فی الحال جن بوتل میں بند کر دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جن مارا گیا یا اس کی طاقت سلب ہو گئی ہے۔ جی ہاں این آر سی، این پی آر اور سی اے اے جیسے تمام قوانین جن کے نفاذ کے وعدے پر یہ حکومت قائم ہوئی اور جن کے سہارے پر آئندہ برسر اقتدار رہنا چاہتی ہے وہ سب ابھی ٹھنڈے بستے میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ ابھی قدرت لوگوں کے امتحان پر آمادہ ہے اور قدرت کا یہ امتحان کتنا طویل ہوگا سمجھنا مشکل ہے۔ جس زور و شور سے یہ لہر شروع کی گئی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس ملک میں نفرت، انتقام اور اشتعال انگیزی ہی کی حکمرانی چلتی رہے گی۔۔۔ نفرت بڑھتی رہے گی، دشمنی کو ہوا دی جائے گی اور صدیوں پرانی گنگا جمنی تہذیب اور رواداری صرف تواریخ کا حصہ بن کر رہ جائے گی۔ حالات یہی بتا رہے تھے،

ہر طرف یہی چرچہ تھا جیسے جیسے دن گزر رہے تھے یہ اندیشہ گہرا ہوتا جارہا تھا کہ اشتعال انگیزی اور نفرت کی یہ مہم گنگا جمنی تہذیب کی بیخ کنی کردے گی اور ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ ہوجائے گا۔لیکن ہر فرعون را موسیٰ ــــ اسی سرزمین سے پیدا ہونے والے، اسی مٹی کے پروردہ اور یہیں کی آب وہوا میں پروان چڑھنے والے کھیپ کے کھیپ غیر مسلم لوگ آگے آنے لگے، بڑے بڑے مدبر، تاریخ داں، فلسفی اور دنیا کے ہر شعبۂ زندگی کے نامی گرامی افراد آگے آئے، حالات کا جائزہ لیا اور دوٹوک الفاظ میں ان حالات کی، حکومت کی پالیسی اور اس کی دوغلی سیاست کی مذمت کی ــــ ہر شعبۂ زندگی کے افراد اس میں شامل ہوگئے، بکی ہوئی میڈیا اور حکومت کے چند افسران کو چھوڑ کر پورا ملک ان حق پرستوں اور محب وطن لوگوں کے ساتھ ہوگیا۔لاکھ گاندھی کے فوٹو اور اس کی مورتی پر جوتے برسائے گئے، لاکھ چشتی کی آواز اور گرووانی کو دبانے کی کوشش کی گئی اس کی سچائی سامنے آتی گئی، لاکھ مسلمانوں کو حراساں کرکے ذلیل وخوار کرنے کی کوشش کی گئی، دنیا کی نظروں میں اسلام بلند سے بلند ہوتا گیا، گاندھی گاندھی رہا اور اس کا قد بین الاقوامی دنیا میں بڑھتا ہی گیا اور اس کے قاتل کے پجاری یا تو بے موت مرگئے یا مہلک امراض میں مبتلا ہوکر سسک رہے ہیں بلک رہے ہیں۔

جناب سید جمال احمد صاحب پھلواروی کی رحلت :

''المجیب'' میں یہ ذکر بعض وجوہ سے تاخیر سے کیا جارہا ہے کہ جناب جمال احمد صاحب پھلواروی ۱۶؍دسمبر ۲۰۱۹ء کو رحلت کرگئے ــــ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

مرحوم کا تعلق خاندان مجیبی سے تھا، وہ حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کے حفید حضرت مولانا محمد امام قادری قدس سرہٗ کی اولاد میں تھے۔

جمال احمد صاحب کے والد ماجد مولانا شاہ وارث امام رحمہ اللہ عالم تھے اور فارسی ادب سے اچھی مناسبت رکھتے تھے، فارسی قواعد پر ایک کتاب ان کی علمی یادگار ہے، وہ مشرقی پاکستان منتقل ہوگئے تھے، چٹاگانگ میں ان کا انتقال ہوا۔

جمال احمد صاحب کی تاریخ ولادت ۱۹۲۸ء ہے۔انہوں نے ابتدائی فارسی وعربی پھلواری شریف میں پڑھی اور پھر اسکول کی تعلیم حاصل کی، ان کی تعلیم وتربیت، ان کے نانیہال پیر بیگھہ (ضلع گیا) میں ہوئی جہاں وہ اپنے ماموں شاہ مصطفیٰ صاحب کی کفالت میں رہے۔

جمال احمد صاحب محکمۂ ریلوے میں ملازم تھے، درمیان ملازمت مختلف شہروں میں رہنے کا اتفاق ہوا، ملازمت کی زیادہ مدت صاحب گنج بھاگلپور میں گزاری اور وہیں سے ریٹائرڈ ہوئے، ملازمت سے سبکدوشی کے بعد پھلواری شریف میں اپنی آبائی زمین میں مکان بنایا اور یہیں ان کا آخری دور گزرا۔

جناب جمال احمد صاحب نہایت عمدہ اخلاق واوصاف کے حامل تھے، کم سخن اور سنجیدہ مزاج بزرگ تھے، نپی تلی

محتاط گفتگو کے عادی تھے، ریٹائرڈ ہونے کے بعد پھلواری شریف میں مستقل سکونت اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں خانقاہ سے قریب رہیں گے اور علمی ماحول ملے گا، ان کا علمی اور ادبی ذوق بہت اچھا تھا، فارسی اچھی جانتے تھے، فارسی انہوں نے پھلواری شریف کی مشہور ذی علم شخصیت علامہ حکیم سید محمد شعیب رضوی رحمہ اللہ سے پڑھی تھی اور فن شاعری میں بھی وہ حضرت حکیم شعیب صاحب کے شاگرد تھے، شعر وسخن کا ذوق بہت اعلیٰ تھا، ان کا کلام ستھرا اور فصیح ہوتا تھا، سہ ماہی المجیب میں کبھی کبھی ان کا نعتیہ کلام شائع ہوتا تھا، علیحدہ سے کوئی تخلص متعین نہیں کیا، ان کا نام ہی ان کا تخلص ہوتا تھا، جبکہ ان کے والد ماجد کا تخلص خلش تھا اور ان کے ایک چچا روش تخلص کرتے تھے، شاعری کی طرف توجہ کم رہی لیکن ان کے چچا حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی پھلواروی ؒ ان کے ادبی معیار کی تعریف کرتے تھے۔

نماز باجماعت کے بڑے پابند تھے، جب تک صحت نے ساتھ دیا خانقاہ کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے، آخری ایام چھڑی کے سہارے مسجد جاتے تھے، جب صحت زیادہ کمزور ہوئی اور بیمار رہنے لگے تو جماعت میں شریک نہ ہونے کا افسوس کرتے تھے، مطالعہ کا شوق تھا اور خانقاہ کے دارالاشاعت سے شائع ہونے والی ہر کتاب کا ذوق وشوق سے مطالعہ کرتے تھے۔

نہایت پاکیزہ، محتاط اور باعمل زندگی گزاری اور ۹۱ رسال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئے — رحمه الله رحمة واسعة وادخله الله فی بحبوحة الجنان۔

نماز جنازہ خانقاہ مجیبیہ میں زیب سجادہ حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے پڑھائی اور باغ مجیبی میں تدفین عمل میں آئی، ان کے پس ماندگان میں ان کی اہلیہ اور صاحبزادگان سید امین اقبال، سید نیر جمال اور ایک صاحب زادی ہیں، سب ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں، ان کے تیسرے صاحبزادہ انوار احمد مرحوم انجینئر تھے، ۱۹۸۹ء میں ایک حادثے میں رحلت کر گئے تھے۔

جناب شاہ متین عمادی کا انتقال :

شاہ متین عمادی کا گذشتہ ۲۷ رجولائی ۲۰۲۰ء کو پٹنہ سیٹی کے ان کے آبائی مکان خانقاہ عمادیہ منگل تالاب میں انتقال ہوگیا — اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

کسی کے انتقال کی خبر ایک عام بات ہے، جو آیا ہے اُسے جانا ہی ہے، اصل بات یہ ہے کہ جانے والا کون ہے اور اپنے پیچھے اس نے جو یادیں چھوڑی ہیں کیا وہ بھول جانے والی ہیں؟

متین الحق عمادی ایک قد آور شخصیت کے مالک تھے، وہ خانقاہ عمادیہ کے روشن چشم و چراغ تھے — خانقاہ مجیبیہ کے بانی حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے کی اولاد میں تھے۔ خانوادہ عمادیہ

اور خانوادہ مجیبی دونوں خانوادے کے اسلاف میں سب سے قدیم نام حضرت خواجہ عماد الدین قلندر پھلواروی ؒ کا ہے جو بہار میں اُردو زبان وادب کے ابتدائی معماروں میں تھے اور بعض تاریخ نویسوں کے مطابق اُردو زبان کے پہلے شاعر تھے۔اس طرح متین عمادی نے تصوف، بزرگی اور زبان وادب کی گود میں آنکھ کھولی اور عمر کے آخری دور میں داخل ہوتے ہوتے وہ مقام حاصل کرلیا جس کی تمنا کرتے کرتے بہتوں کی عمریں ختم ہوگئیں۔آج تصوف اور علم وادب کی دنیا میں وہ ایک مقام پیدا کر چکے تھے،ایک بزرگ صوفی شاعر خوش اخلاق وضع دار اور جلد ہی لوگوں کے دلوں میں گھر کر جانے والے شاہ متین عمادی اب اس دنیا میں نہیں رہے،اس پر یقین نہیں ہوتا، خانقاہ عمادیہ اور خانقاہ مجیبیہ دونوں کو وہ اپنا گھر سمجھتے تھے اور دونوں سے ان کا تعلق اور ان کی وابستگی تھی۔

زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ مدظلہ ان کے عزیز تھے اور ہمیشہ انہوں نے ان سے حد درجہ شفقت اور محبت کا اظہار کیا، جناب حضور مدظلہ نے بھی خانقاہ عمادیہ اور خانقاہ مجیبیہ کی مشترکہ بزرگ شخصیت کی حیثیت سے ان کی پذیرائی کی۔

۲؍دسمبر ۲۰۱۳ء مطابق ۲۷؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ میں دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی جانب سے ایک یادگار طرحی مشاعرہ کا انعقاد ہوا تو صدارت کے لئے جناب حضور مدظلہ العالی نے شاہ متین عمادی ہی کا انتخاب کیا اور حضور مدظلہ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے شاہ متین عمادی نے اس یادگار مشاعرہ کی صدارت کی، بلاشبہ مشاعرہ بہار کی تاریخ کا ایک یادگار مشاعرہ بن گیا، جب بھی اس مشاعرہ کا تذکرہ ہوتا، وہ ان یادگار لمحوں کو دہراتے جو مشاعرہ کے دوران پیش آئے۔خانقاہ عالم پناہ کے ایک گوشہ میں منعقد اس مشاعرہ میں شامل شعراء حضرات اور سامعین کی متانت، سنجیدگی اور خانقاہ کے وقار کا احترام اُنہیں ہمیشہ یاد رہا۔ حقیقت میں وہ بہار کے ان شعراء میں شامل تھے جن کے بغیر مشاعرہ مکمل نہیں ہوتا۔وہ ہر دلعزیز تھے اور تاعمر ہر دلعزیز رہے۔

صرف صنف شاعری ہی نہیں اردو نثر نگاری میں بھی ان کا مقام بہت اونچا تھا،ان کی کئی کتابیں شائع ہو کر مقبول عام ہوئیں جن میں نقوش صبیح، مراثی ظہور، فضل حق آزاد، میری آنکھیں اُٹھا لیتی ہیں اس کو گلشن عقیدت اور لہجے کی شناسائی کا خاص ذکر کیا جاسکتا ہے۔

صوفی خاندان، صوفی گود کی پرورش اور علم وادب کے خاندانی ورثہ نے انہیں ایک ایسی شخصیت میں ڈھال دیا تھا جس سے سبھوں کو عقیدت تھی، محبت تھی اور جسے سب چاہتے تھے۔اللہ تعالیٰ ان تمام اوصاف اور ان کی اپنی خوبیوں کے طفیل میں ان کے تمام گناہ معاف فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے ـــــ آمین

زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ اور خانقاہ کے دوسرے تمام بزرگوں نے ان کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے اور خانقاہ عمادیہ کے تمام بزرگوں سے تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ادارہ المجیب بھی اپنے مخلص مہربان اور دیرینہ رفیق کی جدائی پر رنجیدہ ہے۔

جناب مولانا شاہ احمد علی فردوسی سملوی ؒ کی رحلت :

جمعرات ۱۳؍اگست ۲۰۲۰ء مطابق ۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ کو دوپہر میں جناب مولانا شاہ احمد علی فردوسی سملوی ؒ نے اس دنیائے فانی سے دار بقاء کی طرف رحلت کی۔ اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت میں اعلی مقام عنایت فرمائے۔نماز جنازہ مولانا شاہ حسان عثمانی نے پڑھائی اور ''آستانہ احمد'' میں تدفین عمل میں آئی۔

شاہ صاحب موصوف ؒ سملہ کے عثمانی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔حضرت شاہ محمد قاسم فردوسی سملوی علیہ الرحمۃ کے بھتیجے اور جناب شاہ محمد فردوسی سملوی ؒ کے صاحبزادے تھے۔حضرت مولانا شاہ عماد الدین قادری علیہ الرحمہ کے نانیہالی رشتہ سے بھائی ہوتے تھے۔

شاہ صاحب ؒ اپنے وقت کے بہترین خطیب اور صاحب رشد وہدایت تھے۔دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ تھے۔ ابتداء میں سملہ خانقاہ میں ہی اپنی خدمات انجام دیں۔بعد میں سملہ سے جمشید پور چلے گئے، وہاں انہوں نے خانقاہ قائم کی۔ حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد بہاری قدس سرہ کی نسبت سے اس کا نام ''خانقاہ شرف'' رکھا۔اس کے ساتھ ایک مدرسہ کی بھی بنیاد ڈالی۔اللہ تعالی کے فضل سے اس خانقاہ سے رشد وہدایت اور اس مدرسہ سے علوم نبوی کی اشاعت ہورہی ہے۔

اللہ تعالی نے شاہ صاحب ؒ کو طویل عمر عطا کی تھی تقریبا ۹۸ سال، جس کو انہوں نے مریدین کی رشد وہدایت اور عوام کی اصلاح وتربیت میں بسر کی۔کچھ کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔خطبات کا مجموعہ بھی شائع ہوا ہے۔پس ماندگان میں متعدد صاحبزادے ہیں۔مولانا شاہ حسان عثمانی ان کے جانشین ہیں۔اللہ تعالی ان کی تمام اولاد کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین، ان کے غم میں خانقاہ مجیبیہ اور ادارہ المجیب بھی برابر کا شریک ہے۔

ڈاکٹر سید نہال الدین احمد کی رحلت :

افسوس کے ساتھ یہ خبر لکھی جارہی ہے کہ نیو قاضی محلہ ضلع اورنگ آباد بہار کی مشہور ومعروف شخصیت ڈاکٹر سید نہال الدین احمد صاحب کا ۲۶؍جولائی ۲۰۲۰ء کو ۸۴؍سال کی عمر میں اپنے مکان پر انتقال ہوگیا۔۔۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

مرحوم کا خانقاہ مجیبیہ سے مصاہرانہ تعلق تھا، وہ حضرت مولانا سید شاہ حافظ محمد شہاب الدین ثاقبؔ قادری قدس سرہ کے چھوٹے داماد تھے، ان کا آبائی وطن صمد چک ضلع اورنگ آباد تھا، معالجت کے پیشہ سے منسلک تھے، ڈاکٹری اپنے خال محترم کی صحبت میں رہ کر سیکھی تھی، داؤدنگر ضلع گیا میں پریکٹس کرتے تھے، بعد میں اورنگ آباد منتقل ہوگئے، وہیں اپنی کلینک کھول لی، قدرت نے دست شفا سے نوازا تھا، مریض کو دیکھ کر فوراً مرض کی تشخیص کرلیتے اور حسب ضرورت دوا تجویز کرتے، ان کی وجہ سے اورنگ آباد میں غریب و نادار لوگوں کو علاج ومعالجہ میں بڑی سہولت تھی، غریبوں کا وہ مفت میں علاج کیا کرتے تھے، نہایت ہمدرد، صوم و صلوٰۃ کے پابند، خوش اخلاق اور حد درجہ ملنسار آدمی تھے، ان میں ادب کا بھی اعلیٰ ذوق تھا، ادبی مجلسوں میں بھی ان کی شرکت رہتی تھی۔

مرحوم ادھر ایک سال سے ایک مہلک مرض میں مبتلا تھے، ان کی اہلیہ کا انتقال کچھ سال قبل ہو چکا ہے، پسماندگان میں ۵ لڑکے اور کئی ایک پوتے پوتیاں ہیں، اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے—— آمین!

جناب محمد ابو اسامہ صاحب۔ میروا کی وفات :

میروا (سیوان) کے جناب محمد نعیم صاحب حکیم آبادی مرحوم کے دوسرے صاحبزادے جناب محمد اسامہ صاحب کا ۲۵/جولائی ۲۰۲۰ء مطابق ۳/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ کو رات میں انتقال ہوگیا۔ موصوف حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے رشتہ میں بھانجے ہوتے تھے اور مولانا شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ کے سالے تھے۔ بہت نیک اور خوش اخلاق تھے۔ عمر پچپن کے قریب ہوگی۔ مختصر علالت کے بعد وفات ہوئی۔ نماز جنازہ اور تدفین میروا (سیوان) میں ہی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے—— آمین

✵✵✵✵✵✵✵✵✵✵

قارئین کرام سے مخلصانہ اپیل

کاغذ اور طباعت کی شدید گرانی کے پیش نظر ''المجیب'' کی قیمت میں اضافہ کر دیا گیا ہے، اُمید ہے کہ مجلہ کی اہمیت و افادیت اور قدر و قیمت کو مدنظر رکھتے ہوئے قارئین کرام اس اضافہ کو بطور احسن قبول فرمائیں گے، لہٰذا! ''المجیب'' کا خریدار بننے یا خریداری نمبر کی تجدید کرانے کے لیے جنوری ۲۰۲۰ء سے فی شمارہ -/50 روپے، سالانہ -/200 روپے، بذریعہ سادہ ڈاک -/250 روپے اور رجسٹری ڈاک -/400 روپے ادا کریں، نیز رسالہ حاصل ہونے کے بعد اپنی مدت خریداری لفاف پر ضرور دیکھ لیں، اگر مدت ختم ہوگئی ہے اور آپ کا زر تعاون باقی ہے تو براہ کرم بقایا رقم جوڑ کر بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں یا دارالاشاعت کے اکاؤنٹ میں جمع کر دیں۔

A/c No. : 1271488319, A/c Name : **DARUL ESHA'AT**
Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)
Cel No. +91-9006306098, 7250433562

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے — اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

ISSN 2320-8600 The ALMOJIB Quarterly
Vol.No. :60 April, May & June 2020 Sl.No. : 02
The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar
Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)
Ph. No. (0612) 2555572, Telefax : 2555305, Mob. No. +91-9006306098, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

دارالاشاعت کی فخریہ پیشکش

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ اپنے سن قیام سے لے کر آج تک بحمدہ تعالیٰ علمی و تحقیقی حلقے میں اپنی گراں قدر تصانیف و تخلیقات فراہم کرتا آرہا ہے جو ہمیشہ علم و ادب کے میدان میں استناد کا درجہ رکھتی ہیں۔

خلافت و ملوکیت جیسے نازک موضوع، خلافت راشدہ کی اہمیت، اس کی شرائط و قیود اور امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سیرت و شخصیت پر جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی شاہکار تصنیف :

خلافت و ملوکیت اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

ان شاء اللہ بہت جلد دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے کسوت طباعت سے مرصع و مزین ہو کر منظر عام پر آرہی ہے۔

یہ کتاب اپنی نوعیت کا ایک منفرد تاریخی دستاویز ہے جو حضرت مؤلف مدظلہ کے عمیق مطالعہ، جگر کاوی و دیدہ ریزی اور حسن ترتیب کا بہترین گلدستہ اور اپنے موضوع پر جامع و مستند تاریخی حالات و واقعات کا بیش بہا مجموعہ ہے۔

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)